راکھ کے ڈھیر میں پھول
مظفر وارثی

فہرست

۱	سنبھلنے کے لئے گرنا پڑا ہے	۱۷
۲	اک موڑ پر تمام زمانے لگے مجھے	۱۹
۳	سب ہنستے ہیں ایک تبسم تم دے دو	۲۱
۴	نیندوں کا احتساب ہوا یا نہیں ہوا	۲۳
۵	رات تو ختم ہوئی، صبح کے تارے نے کہا	۲۵
۶	اس کی عادت ہے بھلا دیتا ہے وعدہ کر کے	۲۷
۷	ہر قدم ان کو بھیج کرنا ہے	۲۹
۸	شہد سے خواب زہر سی تعبیر	۳۱
۹	دھوپ نکلی تو شجر یاد آیا	۳۳
۱۰	مار دینے کی مجھے دھمکی نہ دو	۳۵
۱۱	خیر مقدم کرو اس پار سے ہم آئے ہیں	۳۷
۱۲	باغی حرف و لب، سر پھرا بے ادب نام شاعر کا ہے	۳۹
۱۳	بھاگتے شخص کو شاہسوار نہ مانوں گا	۴۰
۱۴	کشتی میں تھے ہم اور پانی	۴۲
۱۵	روشنی جسم میں دیکھتے رہ گئے	۴۴
۱۶	گٹھڑیوں کی طرح سر کاندھوں پہ ہیں	۴۶
۱۷	خوب ہے دنیا کہ دریاؤں میں ہوتی آپ ہے	۴۷
۱۸	ان آنکھوں کی گہرائی تک میں گیا	۴۹

نمبر	عنوان	صفحہ
۱۹	وہ تیر بکف خفیہ ٹھکانے پہ کھڑا ہے	۵۱
۲۰	لاؤ پگڑی میرے سر پہ باندھ دو	۵۳
۲۱	روح پر ہیں داغ چادر پر نہیں	۵۵
۲۲	جنگ کے میداں سے اعزاز شجاعت لے چلے	۵۷
۲۳	آنسوؤں کو بھڑکاتی ہے بادل کی آگ	۵۹
۲۴	اسے تہ دل سے چاہتے ہیں	۶۱
۲۵	مری خوشبوؤں سے نہ بچ سکا مرے سر پہ آگ اچھال کر	۶۳
۲۶	داغ دے کر صاف چہرہ مانگتی ہے زندگی	۶۵
۲۷	صدائے حق کے لئے اپنی جان بھی دے گا	۶۷
۲۸	پتے پتے پر جو ویرانے لکھے	۶۹
۲۹	درد بھی ہم نے اکثر خریدا	۷۱
۳۰	ہر قانون نے آ کر دیکھے میرے تن کے گھاؤ	۷۳
۳۱	حسن کی اپنے وضاحت نہیں کرنا آتی	۷۵
۳۲	سچ بولتے فنکار کو چپ کیسے کیا جائے	۷۷
۳۳	کرتے ہیں دعا لوگ ستمگر کے لئے بھی	۷۹
۳۴	آنکھ آنسو ہے جسم انگارہ	۸۱
۳۵	دل کی خیرات لٹانے میں مثالی ہم تھے	۸۳
۳۶	یوں وہ ہم سے آنکھ چرائے پھرتے ہیں	۸۴
۳۷	تمام عزتوں رسوائیوں کا عاشق ہوں	۸۵
۳۸	دل آباد ہیں آنکھیں خالی خالی ہیں	۸۷
۳۹	خامشی بھی اب خطاب کرنے لگ گئی	۸۹
۴۰	اگرچہ پہرے ہماری اڑان پر ہوں گے	۹۱
۴۱	جب دھوپ کے مکان بنانے پڑے مجھے	۹۳
۴۲	حال دل کہہ دے ہمارا، بے زبانی سے کہو	۹۵
۴۳	ساقی بکتا ہے میخانے بکتے ہیں	۹۷
۴۴	زندگی کا پیچھا کرنے ناامیدی جا چکی	۹۹
۴۵	فردا لغت میں اسکی اعادے کا نام ہے	۱۰۱
۴۶	درد کو شوخی دلدار کہا کرتے ہیں	۱۰۳
۴۷	زخم سارے جہاں نے دیئے تھے	۱۰۵
۴۸	ٹوٹے امید تو ہونٹوں پہ دعا آتی ہے	۱۰۷
۴۹	تصور نے جو اک تصویر کھینچی	۱۰۹
۵۰	اب میں شیشے کا کوئی گھر نہیں رہنے دونگا	۱۱۱
۵۱	خون کی پٹی سے سر باندھے ہوئے	۱۱۳
۵۲	ان دیاروں میں کون بستا ہے	۱۱۵
۵۳	وہ جو ایک شخص تھا خواب سا وہ کدھر گیا	۱۱۷
۵۴	سر اس لیے اونچا ہے کہ قد اس کا بڑا ہے	۱۱۹
۵۵	میرے نامہ عمل میں تھا ظلم بھی ثواب کی طرح	۱۲۱
۵۶	یار وہ کس قدر ہمارا ہے	۱۲۳
۵۷	آگ میں بیٹھ کے پھولوں کی نمائش کرنا	۱۲۵
۵۸	لذتوں سے حیات خالی ہے	۱۲۷
۵۹	ہاتھ انصاف کے چوروں کا بھی کیا میں کاٹوں	۱۲۹
۶۰	لاتعلق بھی محبت سے تمہاری ہم نہیں	۱۳۱
۶۱	چراغ دھوپ کے گھر میں جلائے رکھتا ہے	۱۳۳
۶۲	ہماری لاش کو جب دار سے اتارا جائے	۱۳۵
۶۳	چاہتوں پر بضد بھی تو ہونگے	۱۳۷
۶۴	جہان دل میں عجب بود و باش اپنی تھی	۱۳۹

نمبر	عنوان	صفحہ
۶۵	ڈور کھینچنے سے ٹوٹ جاتی ہے	۱۴۱
۶۶	تنہائی پیش آتی ہے غم خوار کی طرح	۱۴۳
۶۷	برا لگتا ہے تو یہ دل کسی پتھر میں رکھ دیجئے	۱۴۵
۶۸	وہ آئینے کو بھی جھوٹا قرار دیتا ہے	۱۴۷
۶۹	زمیں پر پاؤں رکھتا ہوں ہواؤں پر نہیں رکھتا	۱۴۹
۷۰	جلتے گھروں کی آگ بجھانے چلا تھا میں	۱۵۱
۷۱	یہ فیصلہ تو بہت غیر منصفانہ لگا	۱۵۳
۷۲	ہر آئینے سے گریبان کیوں نہیں لیتے	۱۵۵
۷۳	ہمیں یہ بوجھ اپنے جسم پر اچھا نہیں لگتا	۱۵۷
۷۴	میری غرقابی میں ان کا بھی حوالہ کیوں نہیں	۱۵۹
۷۵	**تشنگیاں لب جو**	۱۶۱
۷۶	سوئے دیوار سائے جانے لگے	۱۶۳
۷۷	دن اندھیروں میں کٹے راتوں کو سویا بھی نہیں	۱۶۵
۷۸	ہم نے دعائیں دیں جسے اس نے ہمیں مقتل دیئے	۱۶۷
۷۹	غیر محسوس طنابوں میں جکڑ رکھا ہے	۱۶۹
۸۰	لگی ہوئی تھی نظر ایک ایک پل کی طرف	۱۷۱
۸۱	چاہنے والے لوگ ستمگر بھی ہوتے ہیں	۱۷۲
۸۲	بدن بدن ڈھونڈنا پڑے گا کہاں ہیں دشمن کدھر ہیں اپنے	۱۷۳
۸۳	زندہ ہوں مگر جینے کا احساس نہیں ہے	۱۷۴
۸۴	وہ لہروں کی طرح آتا ہے جب بھی ملنے آتا ہے	۱۷۵
۸۵	ہر تصور تیرا چہرہ ہر تمنا تیرا ہات	۱۷۷
۸۶	مر کے بھی خود کو زندہ کر جانا	۱۷۹
۸۷	بکھرے لفظوں سے یارانہ اپنا ہے	۱۸۱
۸۸	تخلص زخم کا مرہم رہے گا	۱۸۳
۸۹	مٹی کا تن ڈھانپ لیا تھا بادل کی چادر سے	۱۸۵
۹۰	زندہ رہنا ہے تو آواز محبت پر چلو	۱۸۶
۹۱	سوچوں سے خیالوں سے حقیقت نہیں بنتی	۱۸۸
۹۲	آئنہ بھی کسی بے چہرہ کا چہرہ نکلا	۱۸۹
۹۳	ایسے اصول چاہئیں پیمانے چاہئیں	۱۹۱
۹۴	ہر رنگ ہے پہنے ہوئے عریاں تو نہیں ہے	۱۹۳
۹۵	جب بھی وہ اپنی کمانوں سے نکل کر آیا	۱۹۵
۹۶	اٹھائے انگلیاں سب پر حساب اپنا نہیں رکھتا	۱۹
۹۷	اس کو ٹھنڈی ہوا بھی میسر نہیں	۱۹۹
۹۸	ساحل جاں نہ پار کر جاؤ	۲۰۱
۹۹	شعلہ عشق دل میں جلتا ہے	۲۰۳
۱۰۰	چوروں کی طرح نیند کہیں بھاگ نہ جائے	۲۰۵
۱۰۱	ہر ایک چہرے سے کردار پڑھنا آتا ہے	۲۰۶
۱۰۲	جب بھی روشنی میں ہم آئے	۲۰۷
۱۰۳	جاگتے میں بھی جو خوابوں کی طرح ہوتے ہیں	۲۰۹
۱۰۴	بات کرتے ہوئے چپ رہنے کا ڈھب اچھا ہے	۲۱۱
۱۰۵	فضائیں چیخ رہی ہیں اور آدمی چپ ہے	۲۱۳
۱۰۶	پھول سے بھی دھواں نکلتا رہا	۲۱۵
۱۰۷	شکست شب کا روز نظارہ دیکھتا ہوں	۲۱۷
۱۰۸	ہوا کی آنکھ سے خوشبو چھپی نہیں رہتی	۲۱۹
۱۰۹	چہرہ بدل بدل کے نہ کر بات زندگی	۲۲۱
۱۱۰	حسن تو حسن ہے اس کی تعریف کرنا برا تو نہیں	۲۲۲

۱۱۱	دھوئیں کو رنگ شرر کو گلاب کیسے کہوں	۲۲۳
۱۱۲	روشنیو! ہم کو بھی ایک ہنر آتا ہے	۲۲۵
۱۱۳	**تشنگیاں** مصروف ہیں کن **تکمیلوں** میں	۲۲۷

حاشیہ

اندر کی آگ، نامہ نگارِ ہوا کے ساتھ
جب گامزن ہوئی
میرا سخن ہوئی
ہر روشنی میں راکھ کا اک ڈھیر لگ گیا
کچھ پھول سے کھلے
اور ان سے جا ملے

تنہا میں جل رہا تھا تو خوش ہو رہے تھے لوگ
ان تک گئی جو آگ ، بجھانے لگے مجھے

○

سنبھلنے کے لئے گرنا پڑا ہے
ہمیں جینا بہت مہنگا پڑا ہے

رقم تھیں اپنے چہرے پر خراشیں
میں سمجھا آئینہ ٹوٹا پڑا ہے

یہ کیسی روشنی تھی میرے اندر
کہ مجھ پر دھوپ کا سایا پڑا ہے

مری آنکھوں میں تم کیوں جھانکتے ہو
تہوں میں آنسوؤں کی کیا پڑا ہے

حواس و ہوش ہیں بیدار لیکن
ضمیر انسان کا سویا پڑا ہے

بدن شوقین کم پیراہنی کے
درودیوار پر پردا پڑا ہے

اٹھا تھا زندگی پر ہاتھ میرا
گریباں پر خود اپنے جا پڑا ہے

محبت آنسوؤں کے گھاٹ لے چل
بہت دن سے یہ دل میلا پڑا ہے

زمیں ناراض ہے کچھ ہم سے شاید
پڑا ہے پاؤں جب الٹا پڑا ہے

ڈبو سکتی نہیں دریا کی لہریں
ابھی پانی میں اک تنکا پڑا ہے

مظفر رونقوں میلوں کا رسیا
ہجوم درد میں تنہا پڑا ہے

○

اک موڑ پر تمام زمانے لگے مجھے
چہرے جدید جسم پرانے لگے مجھے

تنہا میں جل رہا تھا تو خوش ہو رہے تھے لوگ
ان تک گئی جو آگ' بجھانے لگے مجھے

آنکھوں میں جب تلک رہے کتنا غریب تھا
آنسو لٹا دیئے تو خزانے لگے مجھے

آیا یہ کیسا خول چڑھا کر ستم ظریف
اندر کے داغ بھی نظر آنے لگے مجھے

سچائیوں کا زہر میں پینے چلا تو ہوں
یہ زہر پی کے نیند نہ آنے لگے مجھے

ٹپکا لہو تو ظلم کی تصویر بن گئی
ظالم اسے پلٹ کے دکھانے لگے مجھے

اونچا ہو میرا سر یہ کوئی چاہتا نہ تھا
سولی پہ بھی چڑھا تو گرانے لگے مجھے

مانگے ہوئے حریر و جواہر کی سیج پر
سونے لگا تو پاؤں سرہانے لگے مجھے

مجھ سے ملے بغیر مظفر جو تھے خفا
میں ان سے مل لیا تو منانے لگے مجھے

○

○

سب ہنستے ہیں ایک تبسم تم دے دو
دکھ یہ اگر دینا چاہو تم، تم دے دو

میرے سینے میں بھی اک دل ہوتا تھا
میں نے تو کر دیا اسے گم تم دے دو

میرے آنسو لے لو اپنے دامن پر
موج ہے میرے پاس، تلاطم تم دے دو

ہم دونوں میں تعارف بھی ہو جائے گا
اجنبیت کو حسن تصادم تم دے دو

میرا جیون تو اک ڈھیر ہے مٹی کا
اس مٹی کو ماہ و انجم تم دے دو

لوگ تمہارے ظلم کے گیت بھی گائیں گے
ان چیخوں کو زہر ترنم تم دے دو

جانے کیوں چپ چپ سا مظفر رہتا ہے
پتھر کو تعلیم تکلم تم دے دو

○

○

نیندوں کا احتساب ہوا یا نہیں ہوا
سچا کسی کا خواب ہوا یا نہیں ہوا

بے داغ کوئی شکل نظر آئی یا نہیں
آئینہ بے نقاب ہوا یا نہیں ہوا

لائی گئیں کٹہرے میں کتنی عدالتیں
قانون لاجواب ہوا یا نہیں ہوا

جو آج تک کیا گیا احسان کی طرح
اس ظلم کا حساب ہوا یا نہیں ہوا

اس کے بھی دل میں آگ لگی یا نہیں لگی
پتھر بھی آب آب ہوا یا نہیں ہوا

پڑھتی ہے جس کتاب کو صدیوں سے زندگی
ختم اس کا کوئی باب ہوا یا نہیں ہوا

قدر اہل روشنی کی بڑھی یا نہیں بڑھی
ذرہ بھی آفتاب ہوا یا نہیں ہوا

انسانیت سے رابطہ کرنے کے باب میں
انسان کامیاب ہوا یا نہیں ہوا

○

○

رات تو ختم ہوئی صبح کے تارے نے کہا
نبض بھی ڈوب چلی درد کے مارے نے کہا

جب کسی جاتی ہوئی لہر نے آواز نہ دی
پار اتار آئے گی گہرائی' کنارے نے کہا

جھانکنا چاہا جو ہم نے کسی پس منظر میں
کھو نہ دینا کہیں بینائی' نظارے نے کہا

اس کو پڑھنا بھی پڑا اس کو سمجھنے کے لئے
وہ نہ اس نے کہا جو اس کے اشارے نے کہا

زندگی تیز ہواؤں سے جو لڑنے نکلی
کتنی سانسیں ہیں ترے پاس، غبارے نے کہا

آدمی جلنے پگھلنے کے لئے ہوتا ہے
آنکھ میں چپ ہوئے آنسو تو شرارے نے کہا

مر گئے ہم تو مظفر ہوئے زندہ ہم بھی
اچھا ہر شخص نے ہر ایک ادارے نے کہا

○

○

اسکی عادت ہے بھلا دیتا ہے وعدہ کرکے
ملنا پڑتا ہے نہ ملنے کا ارادہ کرکے

گہری کچھ اور بھی خاموشیاں ہو جاتی ہیں
جب پکاروں اسے آواز زیادہ کرکے

اپنی عریانیوں کو ڈھانپ لیا کرتا ہوں
بند آنکھوں کے تصور کو لبادہ کرکے

حسن کا راز خدوخال سے کھل جاتا ہے
رنگ ہنس پڑتے ہیں تصویر کو سادہ کرکے

آج تک اپنی محبت کی نہ تکمیل ہوئی
بارہا دیکھ لیا ہم نے اعادہ کرکے

اپنی توسیع مظفر مرے کس کام آئی
بڑھ گئی اور گھٹن ذہن کشادہ کرکے

○

○

ہر قدم ان کو بھیج کر نامے
لکھ دیئے سینکڑوں سفر نامے

خواب میں بھی مجھے جگاتی ہیں
اس کی آنکھیں ہیں یا سحر نامے

غور سے میرے آنسوؤں کو پڑھو
یہ محبت کے ہیں خبر نامے

پھیل جاتی ہے بات کی خوشبو
کھول لیتا ہے نامہ بر نامے

عشق کی یادگار ہوتے ہیں
کچی عمروں کے مختصر نامے

مبلغ زندگی، متاع سخن
سرخیاں پیش لفظ سر نامے

کتنا دلکش ہے رابطہ میرا
چہرہ چہرہ لکھوں نظر نامے

لکھنے والے لکھیں مظفر کو
معتبر غیر معتبر نامے

○

○

شہد سے خواب زہر سی تعبیر
ہاتھ میں سانپ بن گئی ہے لکیر

دیکھ کر میں بہت ہی پچھتایا
دھوپ میں آنکھ، رنگ میں تصویر

ہم ہیں یہ یا ہماری میت ہے
اک طرف خواب اک طرف تعبیر

کب کا بے دخل کر دیا ہے ہمیں
جانے کس کس کی ملکیت ہے ضمیر

عمر بھر ہم دبے رہے جس میں
ایسا ملبہ ہے حسرت تعمیر

ظالموں کا مذاق اڑاتی ہے
رقص کرتی ہے پاؤں میں زنجیر

کتنی سفاک ہو گئی دنیا
بھیک میں درد مانگتا ہے فقیر

دوسروں کا مزاج کیا پوچھیں
ہم ہیں اپنی عیادتوں میں اسیر

لمس کی بے بصارت آنکھوں سے
پڑھ رہا ہوں ہواؤں کی تحریر

خوشبوؤں کے ہیں رازداں شعلے
اور شعلے ہیں آندھیوں کے مشیر

ہم مظفر سلامتی چاہیں
دے کے دشمن کے ہاتھ میں شمشیر

○

دھوپ نکلی تو شجر یاد آیا
نہ ملی چھاؤں تو گھر یاد آیا

زندگی کی نہ رہی جب امید
زندہ رہنے کا ہنر یاد آیا

یاد آیا نہ کوئی موت کی شب
صبح کا تارہ مگر یاد آیا

دو قدم جو نہ چلا ساتھ کبھی
جانے کیوں راستے بھر یاد آیا

تھے کبھی صاحب عزت ہم بھی
پگڑیاں دیکھ کے سر یاد آیا

کتنی مشکل سے بھلایا ہے اسے
کیا کریں گے پھر اگر یاد آیا

تیغ اٹھا لی ہے مظفر ہم نے
جب کبھی موقع فریاد آیا

○

○

مار دینے کی مجھے دھمکی نہ دو
لاش ہوں میں لاش کو پھانسی نہ دو

دے رہے ہو کیوں شرافت کی قسم
اک مہذب شخص کو گالی نہ دو

کتنی صدیاں ہم نے سو کر کاٹ دیں
چھین لو آنکھیں مگر لوری نہ دو

درد رکھتے ہو غریبوں کا اگر
گھر نہ دو کپڑا نہ دو روٹی نہ دو

کھینچ لو پیروں کے نیچے سے زمیں
پر نہ دو کاندھا نہ دو سیڑھی نہ دو

کاٹ دو سب اگلے پچھلے راستے
حال دو فردا نہ دو ماضی نہ دو

اپنے پیچھے پھر چھپو گے کس طرح
آئنوں کو صورتیں اصلی نہ دو

چاہتے ہو تم مظفر کو اگر
بد دعا دے دو، دعا جھوٹی نہ دو

○

○

خیر مقدم کرو اس پار سے ہم آئے ہیں
دو کناروں میں گرہ باندھنے ہم آئے ہیں

شوق کے کتنے زمانوں کا سفر طے کر کے
صرف اک لمحۂ غم کے لیے ہم آئے ہیں

آپ کا تازہ تبسم ہے طلب دونوں کی
آنا تھا موسم گل کو، چلے ہم آئے ہیں

بے لباسی کا ہمیں آج تو الزام نہ دے
آج تو اپنا لہو اوڑھ کے ہم آئے ہیں

جھانک کر دیکھ سماعت کے دریچوں سے ہمیں
بے صدا شور سنانے تجھے ہم آئے ہیں

سنگ ہوتے تو ترا جھوٹ بھی کیسے کھلتا
آئنہ ہیں تو ترے سامنے ہم آئے ہیں

راستہ کس نے بتایا تھا مظفر ہم کو
ہر قدم ٹھوکریں کھاتے ہوئے ہم آئے ہیں

○

باغی حرف ولب، سر پھرا بے ادب، نام شاعر کا ہے
تلخیاں چاٹنا، لذتیں بانٹنا، کام شاعر کا ہے

پیاس پیتا رہے، زخم سیتا رہے، مر کے جیتا رہے
کاسۂ زہر غم، حلقۂ چشم نم، جام شاعر کا ہے

کرے شام وسحر، رہگزر رہگزر، بے ارادہ سفر
خوشبوئیں رنگ، سائے دھواں، دھول احرام شاعر کا ہے

سلسلے پیار کے، حوصلے ہار کے، ڈھیر اشعار کے
یہ اثاثہ مظفر ہے شاعر کا، انجام شاعر کا ہے

○

بھاگتے شخص کو شاہسوار نہ مانوں گا
چوروں کو میں شب بیدار نہ مانوں گا

اسی شکاری دنیا کا شاگرد ہوں میں
اتنی آسانی سے ہار نہ مانوں گا

ناچ ناچ کر مت بہلاؤ غریبوں کو
چیخ کو پائل کی جھنکار نہ مانوں گا

چاپ کو میں نے اندر آتے دیکھا ہے
سائے کو ہرگز دیوار نہ مانوں گا

جابر سلطانوں پر جو تنقید کرے
ایسے باغی کو غدار نہ مانوں گا

چاہے کتنا خون جلاؤ چراغوں میں
قتل و غارت کو تہوار نہ مانوں گا

سب کا برابر حق ہے مظفر دنیا پر
طاقت ور کو اجارہ دار نہ مانوں گا

○

○

کشتی میں تھے ہم اور پانی
ساتھ ہی نکلے ' دم اور پانی

ایک قبیلے سے وابستہ
دل اور آنکھیں غم اور پانی

رقص کیا اس نے بارش میں
برس گئی چھم چھم اور پانی

دل والوں کو کر گیا زندہ
خون اور پیاس علم اور پانی

مل نہیں سکتے ہم سے اگر تم
دیدو ملا کر سم اور پانی

پھول اور دریا سوکھ چلے ہیں
کہاں گئی شبنم اور پانی

علامت تخلیق مظفر
فرزند آدم اور پانی

○

○

روشنی جسم میں دیکھتے رہ گئے
دیر تک ہم انہیں دیکھتے رہ گئے

کیا ان آنکھوں کے اندر کوئی اور تھا
آئنے بھی ہمیں دیکھتے رہ گئے

کون سویا تھا شب بستر سنگ پر
صبح سب سلوٹیں دیکھتے رہ گئے

خون مہتابیاں سی چھڑاتا رہا
درد کی رونقیں دیکھتے رہ گئے

ان کی آنکھیں محبت کا دریا بھی تھیں
ساحلوں پر تمہیں دیکھتے رہ گئے

اس طرف مسکراہٹ تھی آنسو ادھر
دھوپ میں بارشیں دیکھتے رہ گئے

مل گئی تھی سماعت کو بینائی بھی
خوشنما آہٹیں دیکھتے رہ گئے

○

○

گٹھڑیوں کی طرح سر کاندھوں پہ ہیں
ایسے لگتا ہے کہ گھر کاندھوں پہ ہیں

لوٹ لو ہمدردیوں کا قافلہ
سب کے سب محو سفر کاندھوں پہ ہیں

وقت بھی ناراض ہم سے ہو گیا
صبح بستر پر گجر کاندھوں پہ ہیں

راستوں کی کیا ضرورت ہے ہمیں
منزلیں ساری اگر کاندھوں پہ ہیں

اب وہ معیار پذیرائی کہاں
کیسے کیسے کم نظر کاندھوں پہ ہیں

یہ سواری تو گرا دے گی ہمیں
ہم مظفر فتنہ گر کاندھوں پہ ہیں

○

خوب ہے دنیا کہ دریاؤں میں ہوتی آپ ہے
کہتی ہے دامن نہ بھیگے اور بھگوتی آپ ہے

ہم سے قیمت پوچھتا ہے وہ ہمارے پیار کی
حسن کے بازار کا انمول موتی آپ ہے

زندگی بھی ایسی ماں ہے جو کسی تقصیر پر
مارتی اولاد کو ہے اور روتی آپ ہے

کس قدر معصوم ہے قسمت کا یہ انداز بھی
جاگنے والے کو دے الزام سوتی آپ ہے

پیار کتنا ہے مظفر مجھ سے ہمت کو مری
بوجھ میری پیٹھ پر رکھتی ہے ڈھوتی آپ ہے

○

ان آنکھوں کی گہرائی تک میں گیا
گرے اس کے آنسو چھلک میں گیا

مرے حوصلے اس کے قبضے میں تھے
حیا اس کو آئی، جھجک میں گیا

زمیں کی کشش دیکھنے کے لئے
کئی بار سوئے فلک میں گیا

کلی میرے احساس کا عکس تھی
ہوا اس سے لپٹی مہک میں گیا

عجب تھی شریک سفر زندگی
چلی زندگی اور تھک میں گیا

•

مظفر گری برف کہسار پر
مگر یوں لگا جیسے ڈھک میں گیا

○

○

وہ تیربکف خفیہ ٹھکانے پہ کھڑا ہے
معلوم نہیں کون نشانے پہ کھڑا ہے

مہرے کی طرح چلنے لگے اہل انا بھی
اب ہر کوئی شطرنج کے خانے پہ کھڑا ہے

بارود کے انبار لئے بیٹھی ہے دنیا
انسان تباہی کے دہانے پہ کھڑا ہے

رہ سکتی ہے کیسے کسی سر پر کوئی دستار
بالشتیہ منیار کے شانے پہ کھڑا ہے

ہنگامہ گھروں میں ہے بپا اور سپاہی
ہتھیار سجائے ہوئے تھانے پہ کھڑا ہے

پہرے میں نگہبان کے ڈاکہ تو پڑے گا
وہ بھی اسی نیت سے خزانے پہ کھڑا ہے

کب جانے قدم اس کا لڑھک جائے مظفر
ایمان بھی تسبیح کے دانے پہ کھڑا ہے

○

○

ۂ پگڑی میرے سر پر باندھ دو اب ہر اک رستے کی میں دیوار ہوں
ل اس بوڑھے کو میں نے کر دیا آج سے بستی کا میں سردار ہوں

ب بیٹی تھی اسی سردار کی جس نے کی توہین میرے پیار کی
لے لیا ہے میں نے اس سے انتقام میں ہی اب اس کے گلے کا ہار ہوں

رے نیچے اونچی اونچی گدیاں میری نظروں میں سمندر ندیاں
ں ہیں آواز چوپالیں مجھے عدل ہوں قانون ہوں سرکار ہوں

ئی منصف گر بناتا ہے مجھے فیصلہ بھی کرنا آتا ہے مجھے
اندھیرے میں چلاتا ہے مجھے ' میں اسی کے ہاتھ کی تلوار ہوں

لڑکیاں جتنی حسیں ہیں گاؤں کی ، چومتی ہیں دھول میرے پاؤں
شوق میرا عزتوں سے کھیلنا ، میں یہاں کا مرکزی کردار ہو

•

رکھتا ہوں بے اعتراض و قیل و قال سب کسانوں کی ضرورت کا خیا
لٹنے والوں کے لئے تنہائی ہوں بکنے والوں کے لئے بازار ہو

○

○

روح پر ہیں داغ چادر پر نہیں
میرے اندر دھوپ ہے سر پر نہیں

نیند کیسی اب دھواں آنکھوں میں ہے
آگ پر لیٹا ہوں بستر پر نہیں

•

حق مری تشنہ لبی کا ہے مگر
آنسوؤں پر ہے سمندر پر نہیں

خود ہی دیتا ہوں ہوا میں دستکیں
خود ہی کہہ دیتا ہوں میں گھر پر نہیں

ہاتھ میرا اتنا شل کیوں ہو گیا
سینے پر رکھا تھا پتھر پر نہیں

بات کیا کوئی توجہ سے سنے
غار میں بیٹھا ہوں منبر پر نہیں

قاتلوں سے ہو تعارف کس طرح
خون گردن پر ہے خنجر پر نہیں

یا مظفر ہم بہت بے سمت ہیں
یا زمانہ اپنے محور پر نہیں

○

○

جنگ کے میداں سے اعزاز شجاعت لے چلے
سر کٹانے آئے تھے مال غنیمت لے چلے

لوگ آنکھیں بیچتے ہیں بت تراشوں کو جہاں
ہم بھی ان سوداگروں سے داد حیرت لے چلے

قتل گاہوں میں کچھ ایسے باحیا قاتل بھی ہیں
کپڑے پہنانے کو ننگی جارحیت لے چلے

عدل نے بھی "تحفتہً" زنجیر پہنا دی ہمیں
صاف گوئی سے بھی انعام ندامت لے چلے

اب نہیں کرنا پڑیں گے آپ کو لمبے سفر
باندھ کر پیروں سے ہم سنگ مسافت لے چلے

جانے کن خانہ بدوشوں پر گرانے کے لیے
ڈھا دیا جھونکوں نے ہر دیوار کو چھت لے چلے

کون ناجائز تجارت بند کرنے آئے گا
کرنا تھا جرمانہ جن کو، اپنی قیمت لے چلے

اور کیا لینا تھا دنیا سے مظفر وارثی
یہ بہت ہے آخرت کی واقفیت لے چلے

○

آنسوؤں کو بھڑکاتی ہے، بادل کی آگ
برساتیں بھی لگتی ہیں جنگل کی آگ

حسن کے آتش کدے میں ناچ رہا ہے کوئی
چھم چھم کی آواز ہے یا پائل کی آگ

میں بھی جل کر کندن بننا چاہتا ہوں
میرے ہاتھ پہ رکھ دو ایک اک پل کی آگ

راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے انساں کو
عشق کا اصلی نام ہے اک پاگل کی آگ

شبنم ہے یا بجلی ہم پر گرتی ہے
سرد ہوائیں ہیں یا اس آنچل کی آگ

حال کے شعلے مستقبل کی پھلواری
آج کے سینے میں جلتی ہے کل کی آگ

میری شہ رگ کا قبضہ ہر خنجر پر
میرے خون سے روشن ہر مقتل کی آگ

مے سے بڑھ کر مستی "میں" کی ہوتی ہے
جسم کی آگ سے کمتر ہے بوتل کی آگ

ہم جیسے دل جلے مظفر جانتے ہیں
پوشیدہ ہر کوک میں ہے کوئل کی آگ

○

اسے نہ دل سے چاہتے ہیں
پناہ قاتل سے چاہتے ہیں

ابھی ہمارا سفر ہے جاری
پڑاؤ منزل سے چاہتے ہیں

کبھی نہ چاہا گیا ہو جن کو
وہ لوگ مشکل سے چاہتے ہیں

ڈبویا طغیانیوں نے ہم کو
جواب ساحل سے چاہتے ہیں

ہم اپنے اندر اندھیرا کر کے
چراغ محفل سے چاہتے ہیں

سہولتوں کی وصولیابی
کٹھن مراحل سے چاہتے ہیں

اگرچہ تلوار ہاتھ میں ہے
سپر مقابل سے چاہتے ہیں

ہم اپنی سچائی کا مظفر
ثبوت باطل سے چاہتے ہیں

مری خوشبوؤں سے نہ بچ سکا مرے سر پہ آگ اچھال کر
ہ اسیر خود مرا ہو گیا مجھے اپنی قید میں ڈال کر

مرے خواب بھی مرے رت جگے سفر حیات بھی یوں لگے
کسی خفیہ راہ سے جس طرح کوئی لے چلا ہے نکال کر

جو ترا سخن ترے ساتھ ہے مرے منہ پہ کیوں ترا ہاتھ ہے
یں جواب جس کا نہ دے سکوں کوئی ایسا مجھ سے سوال کر

ترے اس نمائشی حسن سے مرے آئنے بھی چیخ

مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے مرا اعتماد بحال

مری زندگی ہے وہ آئنہ کوئی شکل جس میں سجائی

مجھے ٹوٹ جانے کا شوق ہے وہ رکھے سنبھال سنبھال

○

○

داغ دے کر صاف چہرہ مانگتی ہے زندگی

لوٹ کر بھی اپنا حصہ مانگتی ہے زندگی

دن میں مجھ پر دھوپ کی دیوار بن کر گر پڑے

اور شب کو اپنا سایہ مانگتی ہے زندگی

ایک تو زخموں سے چکنا چور کرتی ہے ہمیں

اور پھر سونے کا تمغہ مانگتی ہے زندگی

پیار کا اظہار بھی کرتی ہے ظالم کی طرح

منھ پہ تھپڑ دے کے بوسہ مانگتی ہے زندگی

دوسری دنیا کا جب درپیش ہوتا ہے سفر
موت سے دراصل وقفہ مانگتی ہے زندگی

•

کون یہ اس کو سکھاتا ہے زبردستی کا فن
کھینچ کر دیوار رستہ مانگتی ہے زندگی

لمحۂ موجود پر بھی جن کا کوئی حق نہیں
ان سے مستقبل کا قبضہ مانگتی ہے زندگی

خون سے اپنے تعلق توڑنے کے واسطے
اجنبی لوگوں سے رشتہ مانگتی ہے زندگی

لوٹتی ہے شام کو واپس مظفر خالی ہاتھ
صبح اٹھ کر روز خرچہ مانگتی ہے زندگی

○

○

صدائے حق کے لئے اپنی جان بھی دے گا
کوئی تو دار پہ چڑھ کر اذان بھی دے گا

براجمان ہے جو کرسی عدالت پر
کٹہرے میں کھڑے ہو کر بیان بھی دے گا

سماعتیں ہی تو دیوار کا نصیب نہیں
کوئی تو حادثہ اس کو زبان بھی دے گا

پڑھا رہا ہے اگر وہ نصاب شام و سحر
تو ہم کو حوصلہ امتحان بھی دے گا

پڑے گی صبر کی عادت کریں گے شکر اگر
ہے جس کی دھوپ وہی سائبان بھی دے گا

بٹھاؤ تو سہی عزمِ سفر کو کشتی میں
ہوا کا زور کھلے بادبان بھی دے گا

یہ ملک اصل میں اللہ کی امانت ہے
امین بن گئے ہم تو امان بھی دے گا

دلوں میں بوئے گا جو شخص چاہتیں اپنی
سنا ہے اب وہ مظفر لگان بھی دے گا

○

○

پتے پتے پر جو ویرانے لکھے
سب ہمارے نام دنیا نے لکھے

اس کی مایوسی کا اندازہ کرو
دیدہ و دل کو جو بیگانے لکھے

جھوم اٹھی ہم کو روتا دیکھ کر
آنسوؤں کے گیت برکھا نے لکھے

یوسفوں کے نام، نامے عشق کے
ہر زمانے کی زلیخا نے لکھے

حوصلے سے عمر ہم نے کی بسر
دامن دشمن پہ یارانے لکھے

زندگی مردوں کے ہاتھوں میں رہی
موت کے نوحے مسیحا نے لکھے

ساغروں سے بھی چھلکتا ہے لہو
وقت مقتل کو بھی میخانے لکھے

خاک میں رلتی رہیں سچائیاں
اور قلم والوں نے افسانے لکھے

ان قصیدوں کے نہیں ہم ذمے دار
جو ہمارے باپ داد نے لکھے

ہم تو سرکش لوگ ہیں ہم نے سدا
فرد سلطانی میں جرمانے لکھے

گلے شکوے ہی مظفر عمر بھر
دل کے کاغذ پر تمنا نے لکھے

○

○

درد بھی ہم نے اکثر خریدا
اور سر عام لٹ کر خریدا

دل میں شمع محبت جلالی
آگ کے شہر میں گھر خریدا

خون کی بوند تھی اس سے مہنگی
جتنی قیمت میں خنجر خریدا

میری بینائی نیلام کر کے
اس نے ہر ایک منظر خریدا

خود کشی آدمیت نے کر لی
جب جہالت نے منبر خریدا

جرأتیں بیچ کر زخم کھائے
آئینہ دے کے پتھر خریدا

زندگی بھر کی نیندوں کے بدلے
میں نے کانٹوں کا بستر خریدا

موت نے بھی مری لاج رکھ لی
سولیوں نے مرا سر خریدا

جیت سکتا تھا وہ جنگ کیسے
جس نے لشکر کا لشکر خریدا

خواہشوں پر نہ جانا مظفر
خواہشوں نے سکندر خریدا

○

○

ہر قانون نے آکر دیکھے میرے تن کے گھاؤ
میرے خون میں تیر رہی ہے ہر منصف کی ناؤ

کون یہ سچائی، انصاف، محبت بیچنے آیا
خالی جیبوں والے آکر پوچھ رہے ہیں بھاؤ

پیاسے مرنیوالوں کے ہونٹوں تک کوئی نہ پہنچے
اپنے گھر کے آگے سب کر لیتے ہیں چھڑکاؤ

گورکنوں کے شہر میں رہنا کچھ آسان نہیں
رہنا ہے تو کفن پہن کر قبروں میں سو جاؤ

بڑھتے اندھیروں پر جب بھی تنقید کیا کرتا ہوں
رات کی چھت پر چڑھ کر تارے کرتے ہیں پتھراؤ

تہذیبوں کے سائے میں ظلم بھی کرتا رہا ترقی
یکساں رہا ہے دونوں سے ہر لمحے کا برتاؤ

جاتی ہوئی لہروں کے ساتھ مظفر جانا ہو گا
پار اتارے گی اب تم کو ڈوبنے والی ناؤ

حسن کی اپنے وضاحت نہیں کرنا آتی
غالباً اس کو محبت نہیں کرنا آتی

ایک ہلکی سی نظر سے بھی چٹخ جاتا ہے
ہم کو اس دل کی حفاظت نہیں کرنا آتی

آنسوؤں سے تو مراسم ہیں کسی آنکھ کے ہوں
قہقہوں میں ہمیں شرکت نہیں کرنا آتی

کیوں ہمیں عشق کے بازار میں لے آئے ہو
لٹ تو سکتے ہیں تجارت نہیں کرنا آتی

باندھتا ہے وہ بگولوں کو بھی زنجیروں سے
اس کو دیوانوں کی عزت نہیں کرنا آتی

زندگی سے کبھی انصاف نہیں کر سکتا
جس کو ظالم سے بغاوت نہیں کرنا آتی

کربلاؤں میں اترنا تو ہمیں آتا ہے
وقت کے ہاتھ پہ بیعت نہیں کرنا آتی

پرورش کی ہے مظفر کی عجب قدروں نے
دشمن جاں سے بھی نفرت نہیں کرنا آتی

○

○

سچ بولتے فنکار کو چپ کیسے کیا جائے
آواز کے حقدار کو چپ کیسے کیا جائے

چیخوں کو تو دفنا دیا دیوار کے پیچھے
گرتی ہوئی دیوار کو چپ کیسے کیا جائے

پہنا تو گئے ہو مرے نغمات کو زنجیر
زنجیر کی جھنکار کو چپ کیسے کیا جائے

بکنے کے لئے آیا ہے ہر ایک خریدار
لٹتے ہوئے بازار کو چپ کیسے کیا جائے

آواز دبا کر مری وہ سوچ رہا ہے
خاموشی کی للکار کو چپ کیسے کیا جائے

تکلیف سے جو چارہ گرد چیخ رہا ہو
ایسے کسی بیمار کو چپ کیسے کیا جائے

جلتے ہوئے آنسو تو مظفر میں بجھا دوں
برسات کی بوچھار کو چپ کیسے کیا جائے

○

○

کرتے ہیں دعا لوگ ستم گر کے لئے بھی
کچھ شعبدہ گر ہوتے ہیں منبر کے لئے بھی

بڑھتے ہوئے شعلوں کو بجھایا نہیں کرتا
وہ ڈھونڈھتا ہے آگ۔ سمندر کے لئے بھی

چل ، شہر دکھا دوں تجھے ، ویرانی صحرا
تیری تو ضرورت ہے مجھے گھر کے لئے بھی

اتنی ہی محبت کا میں حقدار ہوں شاید
اس ہاتھ میں پتھر ہے مرے سر کے لئے بھی

ہر سانس پہ اب ہڈیاں چبھتی ہیں بدن میں
مل جاتے ہیں کانٹے مجھے بستر کے لئے بھی

ہم منتظر وقت رہا کرتے ہیں پل پل
اور وقت ٹھہرتا نہیں پل بھر کے لئے بھی

وہ اپنی تجوری کا شکم ہی نہیں بھرتا
خوراک طلب کرتا ہے خنجر کے لئے بھی

ظالم کی بھی آواز میں آواز ملائے
اور درد وہ رکھتا ہے مظفر کے لئے بھی

○

○

آنکھ آنسو ہے جسم انگارہ
عاشقی عمر بھر کا ہٹوارہ

کوئی شے فطرتاً حقیر نہیں
روشنی کی دلیل اندھیارہ

صبر بھی بے ثمر نہیں ہوتا
اجرت شب ہے صبح کا تارہ

ہم جب آئے تو ماں نے رکھا تھا
گردبادوں کا نام گہوارہ

مکر اظہار ہے منادی بھی
پیٹتا ہے چھری سے نقارہ

عیش کو بھی کمائی کہتے ہیں
کام کے لوگ بھی ہیں ناکارہ

خوشبوؤں کی کلائی تھامی تھی
جب سے ہم ہیں مظفر آوارہ

○

○

دل کی خیرات لٹانے میں مثالی ہم تھے
انکی دہلیز پہ پہنچے تو سوالی ہم تھے

دونوں ہاتھوں سے ہمیں اہل نظر نے لوٹا
ہر تماشائی کی بجتی ہوئی تالی ہم تھے

دل دھڑکتا تو کئی اور صدائیں آتیں
جانے کس کس کی پریشان خیالی ہم تھے

پتھروں پر ہمیں حالات نے دے مارا تھا
ورنہ شے تو نہ کبھی ٹوٹنے والی ہم تھے

ہم کو شاعر تو مظفر کہا دنیا نے مگر
میر و غالب تھے یگانہ تھے نہ حالی ہم تھے

○

یوں وہ ہم سے آنکھ چرائے پھرتے ہیں
جیسے روشنیوں میں سائے پھرتے ہیں

•

کیا خوشبوؤں کو اغوا کر لیا گیا
جھونکے گھبرائے گھبرائے پھرتے ہیں

کچھ ایسے سردار بھی ہیں جو سر اپنے
جسم کی کھونٹی پر لٹکائے پھرتے ہیں

جن کو سزائے رعشہ دی ہے قدرت نے
میزان انصاف اٹھائے پھرتے ہیں

شہ کے مصاحب ہیں شعلے بھی مظفر کیا
ہوا میں اترائے اترائے پھرتے ہیں

○

○

تمام عزتوں ' رسوائیوں کا عاشق ہوں
میں اپنے عہد کی سچائیوں کا عاشق ہوں

زمانہ سازیوں سے ساز باز ہے میری
منافقوں کی پذیرائیوں کا عاشق ہوں

جو راہ چلتی کسی آنکھ میں مچلتی ہیں
ان اجنبی سی شناسائیوں کا عاشق ہوں

دکھائی دیتی ہے دیوار' آئینے کی طرح
بغیر آنکھ کی بینائیوں کا عاشق ہوں

یہ سب نمائشی چہروں کی مہربانی ہے
کہ روشنی میں بھی پرچھائیوں کا عاشق ہوں

سمندروں میں اترنے کا مجھ کو شوق نہیں
میں اپنی ذات کی گہرائیوں کا عاشق ہوں

○

○

دل آباد ہیں آنکھیں خالی ہیں
یہ شکلیں باقی رہ جانے والی ہیں

نیکی بھی مطلب سے کرتی ہے دنیا
بانٹ رہے ہیں جو خیرات، سوالی ہیں

کتنا سچا ہے انصاف عدالت کا
چھوٹنے والے سب مجرم، اقبالی ہیں

ان سر اونچا کر کے چلنے والوں نے
وقت کے پیروں میں دستاریں ڈالی ہیں

اپنے اپنے ضمیر کا حق مارا ہے
سچ پوچھو تو ہم سب استحصالی ہیں

دانشور تو بہت مظفر ہیں لیکن
کتنے سرسید ہیں کتنے حالی ہیں

○

○

خامشی بھی اب خطاب کرنے لگ گئی
اور ہم کو لاجواب کرنے لگ گئی

حسن جستجو بھی جستجوئے حسن بھی
زندگی بہت خراب کرنے لگ گئی

حرف حرف سے کوئی پکارنے لگا
عشق کا عمل کتاب کرنے لگ گئی

آنکھ تنگ آگئی بصارتوں سے کیا
جاگتے ہیں خواب کرنے لگ گئی

کتنی معتبر ہے آج لغزش قدم
راستوں کا انتخاب کرنے لگ گئی

○

رابطہ قدامتوں سے توڑ کر ہوا
انقلاب انقلاب کرنے لگ گئی

اب ہمارے درمیان کچھ نہیں بچا
دوستی بھی اجتناب کرنے لگ گئی

پردہ پڑ گیا ہے کیا مظفر آنکھ پر
زندگی کو بے نقاب کرنے لگ گئی

○

○

اگرچہ پہرے ہماری اڑان پر ہوں گے
اڑے بغیر بھی ہم آسمان پر ہوں گے

میں ٹھیک ٹھیک نشانے پہ ان کے خود پہنچا
مجھے خبر تھی شکاری مچان پر ہوں گے

ہر ایک زخم سے جب پٹیاں ہٹاؤں گا
بہت سے نام لہو کی زبان پر ہوں گے

تم اپنا حال بتاؤ نہ قیمتوں کی طرح
میں درد مند ہوں، تاجر دکان پر ہوں گے

کہاں سے لاؤں گواہی' کدھر سے تیر آیا
کسی کے ہاتھ تو آخر کمان پر ہوں گے

خبر نہ تھی کہ محبت بھی ایسا کانٹا ہے
چبھے گا روح میں' چھالے زبان پر ہوں گے

مظفر ان کی حقیقت سے خوب واقف ہوں
جو اعتراض مری داستان پر ہوں گے

○

○

جب دھوپ کے مکان بنانے پڑے مجھے
دیوار میں درخت لگانے پڑے مجھے

اندر کی روشنی بھی اندھیروں نے چھین لی
پیروں تلے چراغ جلانے پڑے مجھے

سارے بدن میں آگ محبت کی لگ گئی
بھوکے کی طرح زخم بھی کھانے پڑے مجھے

اس کے لئے بھی صاف کیا میں نے راستہ
پتھر بچھائے اس نے ہٹانے پڑے مجھے

کرتا نہ تھا کوئی مری آنکھوں کا اعتبار
دیکھے جو میں نے خواب دکھانے پڑے مجھے

دامان زندگی کبھی خالی نہیں رہا
بارات سے جنازے اٹھانے پڑے مجھے

استاد حادثوں کو مظفر بنا لیا
سستے بہت تمام زمانے پڑے مجھے

○

○

حال دل کہہ دے ہمارا' بے زبانی سے کہو
کر لے اس کو بھی شریک اپنا' کہانی سے کہو

خواہشوں کو خون کی پوشاک میں بھی دیکھ لوں
میرے قاتل پر بھی آ جائے جوانی سے کہو

اب نہیں ہے اپنے اندر ڈوبنے کا حوصلہ
سر سے اونچا ہو تو کم ہو جائے پانی سے کہو

خرچ کرنے کو بہت ہیں آنے والی ساعتیں
پیچھے مڑ مڑ کر نہ دیکھے زندگانی سے کہو

وہ ہماری بات اشاروں میں سمجھ پاتا نہیں
ذہن سے اس کے لپٹ جائیں، معانی سے کہو

•

کچھ ضروری کام کرنے ہیں مظفر کو ابھی
تھوڑی مہلت اور، مرگ ناگہانی سے کہو

○

○

ساقی بکتا ہے میخانے بکتے ہیں
کون کون کس مول نہ جانے بکتے ہیں

موسم کوئی بھی تبدیل نہیں ہوتا
نئی چادریں داغ پرانے بکتے ہیں

اونچے اونچے چوباروں پر مت جانا
ان چوباروں کے تہ خانے بکتے ہیں

مجرم برا جماں انصاف کی کرسی پر
عدالتیں بکتی ہیں تھانے بکتے ہیں

دولت کس کس کا منھ کالا کرتی ہے
نادانوں کے ہاتھ سیانے بکتے ہیں

جاگنے والوں سے بینائی خریدی جائے
سوئے ہوؤں میں خواب سہانے بکتے ہیں

تعلقات کا کاروبار بھی ہوتا ہے
تحفے بکتے ہیں نذرانے بکتے ہیں

دھاک مظفر جن کی تھی ویرانوں میں
شہر میں آ کر وہ دیوانے بکتے ہیں

○

○

زندگی کا پیچھا کرنے ناامیدی جا چکی
بک چکا انصاف سچائی خریدی جا چکی

جینے والے کو نہ ہو گا اب کسی سائے کا خوف
زہر کہتے ہیں جسے وہ تیرگی دی جا چکی

قبضہ اہل عشق پر سوداگروں نے کر لیا
معرفت کو چھوڑ کر پیری مریدی جا چکی

آرزو کے نام سے بھی میں نہیں اب آشنا
کب کی میری زندگی سے یہ ندیدی جا چکی

ایسے لگتا ہے اداسی ہے فقط لاشوں کے پار
کربلائے ذہن سے فوج یزیدی جا چکی

لمحہ لمحہ اب مظفر ہے ہمارا منتظر
وقت کی جانب سے مہلت آخری دی جا چکی

○

○

فردا لغت میں اس کی' اعادے کا نام ہے
رفتار وقت اس کے ارادے کا نام ہے

آئے تو اس کی بات کا کیونکر یقین آئے
وعدے سے انحراف ہی وعدے کا نام ہے

ہر گام پر جہاں تھیں صلیبیں گڑی ہوئی
اب شارع وفا اسی جادے کا نام ہے

پابند ان کے فیصلے کی ہیں عدالتیں
قانون صرف ان کے ارادے کا نام ہے

چہرہ بنا ہوا ہے مظفر نقاب پر
اب خوب صورتی بھی لبادے کا نام ہے

○

○

درد کو شوخی دلدار کہا کرتے ہیں
کچھ بھی ہو پیار کو ہم پیار کہا کرتے ہیں

دل اندھیروں کا بھی ہم سے نہیں توڑا جاتا
شب ہجراں کو بھی تہوار کہا کرتے ہیں

ایسے لوگوں سے تجارت کا شرف ہے ہم کو
قتل گاہوں کو جو بازار کہا کرتے ہیں

حکمرانوں سے طلب کرتے ہیں جو حق اپنا
ان کو تاریخ میں غدار کہا کرتے ہیں

مسخ کر دیتی ہیں رعنائیاں جن کے چہرے
آئنوں کو وہی دیوار کہا کرتے ہیں

کر دیا جائے انہیں دفن بدن میں ان کے
خون کو بھی جو مزے دار کہا کرتے ہیں

عزتیں راس ہی ان کو نہیں آتی ہوں گی
ٹھوکروں کو بھی جو دستار کہا کرتے ہیں

دل و جاں کی یہاں لگتی ہے مظفر بولی
بکنے والوں کو خریدار کہا کرتے ہیں

○

○

خم سارے جہاں نے دیئے تھے جاں مگر اس کے خنجر سے نکلی
ب ہوا آئی قاتل کو لینے اسکی خوشبو مرے گھر سے نکلی

انتی تھی مجھے جانے کب سے موت بھی پش آئی ادب سے
تل مٹی پہ میرا ہوا تھا لاش پھولوں کی چادر سے نکلی

کیسا ناتا ہے یہ غم سے میرا جل گیا جسم شبنم سے میرا
س نے آواز دی آنسوؤں کو آگ سی دیدۂ تر سے نکلی

زندگی کا مزہ کچھ تو آتا اس سے اچھا تھا دل ڈوب جاتا
حلق میں اس کے کانٹے پڑے تھے تشنگی جب سمندر سے نکلی

مسترد کرکے طغیانیوں کو مشتعل کر دیا پانیو

اپنا قد اونچا رکھنے کی ضد میں موج غم سر کے اوپر ـ

•

منظروں میں وہ شیشہ بکف تھا ہر تماشائی اسکی طر

دستکیں دیں جو باطن پہ اس کے ایک دیوار سی در ـ

جو ہر اک سانس پر ملنے آتے ٹوٹتے جا رہے ہیں وا

آگے جا کر بھی مڑ کر نہ دیکھا دوستی یوں برابر ـ

•

بے گناہی کا میری کفن تھے میرے مجرم مرے سنگ زا

چپ رہا ہے مرا خون لیکن چیخ ہر ایک پتھر ـ

روشنی جب کوئی لیکر آیا کون یہ جسم سے با

میری پرچھائیں تھی یا مظفر تیرگی میرے اندر ـ

○

ٹوٹے امید تو ہونٹوں پہ دعا آتی ہے

بند کرتا ہوں دریچے تو ہوا آتی ہے

زندگی دیکھنا یہ ظلم ہوا ہے کس پر

کس طرف سے مری چیخوں کی صدا آتی ہے

اوڑھ رکھا ہے شرافت نے طوائف کا بدن

رقص کرتی ہوئی آنکھوں میں حیا آتی ہے

سر تو کیا گھر سے بھی ہو جاتا ہے پانی اونچا

جب غریبوں کے محلے میں گھٹا آتی ہے

اب ضمیروں سے چھپا لیتی ہے چہرے دنیا
بیٹھ کر لاشۂ غیرت پہ انا آتی ہے

اتنا کمتر بھی مظفر کو نہ سمجھو لوگو
اس سے ملنے کے لئے یاد خدا آتی ہے

○

○

تصور نے جو اک تصویر کھینچی
تو دل نے درد کی زنجیر کھینچی

بڑا ہی مرہمی تھا ہاتھ اس کا
چبھن دل سے مثال تیر کھینچی

کنوئیں میں گر پڑے جب خواب میرے
تو بھر کر ڈول میں تعبیر کھینچی

بدن میں ناچ اٹھا خون سارا
مرے قاتل نے جب شمشیر کھینچی

جدا کر کے سیاست کو ادب سے
صلیبوں پر مری تحریر کھینچی

مظفر میرے ہاتھوں پر یہ کس نے
لکیروں کی طرح تقدیر کھینچی

○

○

اب میں شیشے کا کوئی گھر نہیں رہنے دوں گا
یا کسی ہاتھ میں پتھر نہیں رہنے دوں گا

چہرہ ہر ایک منافق کا میں پڑھ سکتا ہوں
آستینوں میں بھی خنجر نہیں رہنے دوں گا

بہت اچھے ہیں مراسم مرے' طوفانوں سے
دور' پیاسوں سے' سمندر نہیں رہنے دوں گا

خامشی کو بھی مجھے شعلہ نوا کرنا ہے
میں یہ ویرانی منبر نہیں رہنے دوں گا

میری بانہوں میں نہیں آتا نہ آئے لیکن
حد سے اپنی اسے باہر نہیں رہنے دوں گا

خود ستائی کا گلوبند' انا کا جھومر
جسم پر اس کے مظفر نہیں رہنے دوں گا

○

○

خون کی پٹی سے سر باندھے ہوئے
ہم بھی ہیں رخت سفر باندھے ہوئے

زندگی کا قیمتی لمحہ نہ ہو
اڑ رہا ہے کوئی پر باندھے ہوئے

جنگ لڑ سکتا ہے بھوکا آدمی
پیٹ سے پتھر ہوں گر باندھے ہوئے

کچھ تمنائیں' چراغ انجمن
کچھ ارادے ہیں کمر باندھے ہوئے

ایک سر پر کتنی کتنی پگڑیاں
ہے یہاں ہر معتبر باندھے ہوئے

آ رہا ہے امن عالم کا نقیب
جسم پر تیغ و تیر باندھے ہوئے

مانگتے ہیں ہم بہاروں کی دعا
اور شاخیں ہیں شرر باندھے ہوئے

بکنے نکلی ہے مظفر زندگی
گرہ میں نقد ہنر باندھے ہوئے

○

○

ان دیاروں میں کون بستا ہے
عدل مہنگا ہے ظلم سستا ہے

دھوپ' پیاسی زمین پر نکلے
ابر' دریاؤں پر برستا ہے

جس کو جھک کر سلام کرتا ہوں
وہی آوازہ مجھ پہ کستا ہے

عمر تہذیب کی نہیں' اتنی
جس قدر اس کا حال خستہ ہے

زندہ رہ کر بھی آج کا انسان
زندگی کے لئے ترستا ہے

گل کھلاتے ہوئے گزر جاؤ
آگ بھی دل جلوں کا رستہ ہے

عزم تو ہم بلند رکھتے ہیں
قد مظفر اگرچہ پستہ ہے

○

○

وہ جو ایک شخص تھا خواب سا وہ کدھر گیا
وہ سوال سا وہ جواب سا وہ کدھر گیا

وہ نظر جو صرف محبتوں کی مشیر تھی
وہ بہت ہی خوب و خراب سا وہ کدھر گیا

سر آب جس کے لبوں پہ گرد جمی رہی
سر ریگزار گلاب سا وہ کدھر گیا

پڑی جب ضرورت نغمہ، چھیڑ دیا اسے
وہ سرود سا وہ رباب سا وہ کدھر گیا

وہ چراغ، تیز ہوائیں جس کو لئے پھریں
کڑی دھوپ میں بھی سحاب سا وہ کدھر گیا

وہ لبوں پہ سرخی داستاں سی لکھی ہوئی
وہ پڑھی ہوئی سی کتاب سا کدھر گیا

جسے سب پکارتے تھے مظفر وارثی
وہ فقیر عالی جناب سا وہ کدھر گیا

○

○

سر اس لئے اونچا ہے کہ قد اس کا بڑا ہے
قد اس لئے اونچا ہے کہ لاشوں پہ کھڑا ہے

ہنستا بھی ہے تو خون ٹپکتا ہے دہن سے
ہیرا ہے مگر ظلم کے ماتھے پہ جڑا ہے

انصاف کے ہاتھوں میں ہے قانون کی زنجیر
قانون ستم گر کی تجوری میں پڑا ہے

یہ کون بہاروں کا طلبگار ہوا تھا
یہ کس کا بدن سوکھ کے سولی سے جھڑا ہے

گاتا ہے یہ کیوں اپنی بڑائی کے ترانے
انسان بڑا ہے تو خدا اس سے بڑا ہے

میں اپنی محبت کو نہیں ڈوبنے دوں گا
ہر چند مری ناؤ بھی مٹی کا گھڑا ہے

وہ جیت کے بھی ہار گیا جنگ مظفر
مانگی ہوئی تلوار سے جو شخص لڑا ہے

○

○

میرے نامۂ عمل میں تھا ظلم بھی ثواب کی طرح
چن لئے تمہاری راہ کے سنگ بھی گلاب کی طرح

اڑ گئی تھی نیند ایک شب اک حسین انتظار میں
زندگی کو دیکھنے لگا جاگتے ہیں خواب کی طرح

دھوکا آشنائی میں کرے قتل منھ دکھائی میں کرے
سر میں اسکے ہے لگا ہوا خون بھی خضاب کی طرح

کیا ہے نام میں نمود میں بے وجود ہوں وجود میں
بنتی اور ٹوٹتی رہیں خواہشیں حباب کی طرح

سائے حسن انجمن ہوئے داغ زیور بدن ہوئے
اوڑھنے لگا ہے آئنہ چہرہ بھی نقاب کی طرح

وہ مخالفین کے لئے میں ہوں قارئین کے لئے
مٹھیوں کی طرح بند وہ میں کھلی کتاب کی طرح

طرز گفتگو بدل گیا درد دل کدھر نکل گیا
سسکیاں سوال کی طرح قہقہے جواب کی طرح

وہ بلند بینیاں گئیں کہکشاں نشینیاں گئیں
ٹوٹ کر مظفر ایک دن گر پڑا شہاب کی طرح

○

○

یار وہ کس قدر ہمارا ہے
جس کے نیزے پہ سر ہمارا ہے

تشنگی بجھ رہی ہے قاتل کی
خون میں جسم تر ہمارا ہے

راستے بھی وفا نہیں کرتے
کون یہ ہمسفر ہمارا ہے

خوشبوؤں نے جسے جلا ڈالا
اے بہاروں وہ گھر ہمارا ہے

چھاؤں پہچانتی ہے صرف ہمیں
اس کا دعویٰ شجر ہمارا ہے

اس کی جرات‘ ہماری کمزوری
اس کی خامی ہنر ہمارا ہے

رونق شہر بھی ہے اک دھوکا
اس کے پیچھے کھنڈر ہمارا ہے

صبح کو بھی کھلے نہ آنکھ اپنی
خواب شیریں ‘ گجر ہمارا ہے

کر رہا ہے جو سنگسار ہمیں
ہاں وہی چارہ گر ہمارا ہے

ناؤ ہم ریت پر چلاتے ہیں
ساحلوں پر بھنور ہمارا ہے

ہم مظفر نظر رکھیں اس پر
یہ بھی حسن نظر ہمارا ہے

آگ میں بیٹھ کے پھولوں کی نمائش کرنا
اب ہنر ٹھہرا ہے اعلانیہ سازش کرنا

چاہے قانون کے ہاتھ اپنے گریبان پہ ہوں
پیشۂ عدل ہے مجرم کی سفارش کرنا

پگڑیاں بخش کے سر کاٹ لئے جاتے ہیں
قتل کر دینے کا مطلب ہے نوازش کرنا

زندگی ایک بھکارن سی نظر آتی ہے
مجھ کو اچھا نہیں لگتا کوئی خواہش کرنا

کیسے جھک جاؤں تری سنگ دلی کے آگے
میرا مسلک نہیں پتھر کی پرستش کرنا

•

آؤ پھر دونوں بغاوت کے علم لہرائیں
حکم دنیا ہے کہ ملنے کی نہ کوشش کرنا

عاجزی عام مظفر ہمیں اب کرنی ہے
جابروں کو بھی سکھانا ہے گزارش کرنا

○

○

لذتوں سے حیات خالی ہے
توا 'ٹھنڈا' پرات خالی ہے

سر پہ گٹھڑی اٹھائے پھرتے ہیں
اور اندر سے ذات خالی ہے

رابطے کس طرح ہوں مستحکم
لفظ بھرپور بات خالی ہے

ہر طرف ہے مسافروں کا ہجوم
ایک راہ نجات خالی ہے

بند مٹھی بھی کھول کر دیکھو
جو کھلی ہے وہ ہاتھ خالی ہے

سوچنے والی قوتوں کے لئے
حجرۂ کائنات خالی ہے

دن کی جاگیر بن گئے شاید
چاند تاروں سے رات خالی ہے

نامکمل ہو تم مظفر ابھی
ابھی فرد وفات خالی ہے

○

○

ہاتھ ' انصاف کے چوروں کا بھی کیا میں کاٹوں
جرم قانون کرے اور سزا میں کاٹوں

دودھ کی نہر' شہنشاہ محل میں لے جائے
تیشۂ خوں سے پہاڑوں کا گلا میں کاٹوں

تیرے ہاتھوں میں ہے تلوار' مرے پاس قلم
بول سر ظلم کا تو کاٹے گا یا میں کاٹوں

شہر میں آ کے بھی وحشت مجھے بھولی تو نہیں
حجرۂ دشت سے کیوں نام پتا میں کاٹوں

کھلے ماحول پہ وہ حبس کو مامور کرے
سانس کی دھار سے زنجیر ہوا میں کاٹوں

•

چھاؤں تو اس کو مظفر نہیں اچھی لگتی
کہتا مجھ سے ہے کہ یہ پیڑ گھنا میں کاٹوں

○

○

لاتعلق بھی محبت سے تمہاری ہم نہیں
تم سخی ہو یا نہیں لیکن بھکاری ہم نہیں

حیرتوں کی بھیڑ اگر لگ جائے تو ہم کیا کریں
زندگی خود اک تماشہ ہے مداری ہم نہیں

دیکھ لو پہلے ہمارے گھاؤ پھر تہمت لگاؤ
خون آنکھوں میں تمہاری ہے شکاری ہم نہیں

ہم کو پتھرا تو دیا ہے سختی حالات نے
تم بھی چھو کر چھوڑ جاؤ اتنے بھاری ہم نہیں

جان دینے کے ہزاروں داؤ آتے ہیں ہمیں
ہار جائیں حوصلہ ایسے جواری ہم نہیں

طے کئے ہیں اپنے قدموں سے مظفر پل صراط
کسی بیساکھی کے کاندھے کی سواری ہم نہیں

○

○

چراغ دھوپ کے گھر میں جلائے رکھتا ہے
وہ اپنے جسم کے کتنے ہی سائے رکھتا ہے

تضاد فکر نے تقسیم کر دیا ہے اسے
خیال وہ نہیں رکھتا جو رائے رکھتا ہے

مہکتی رہتی ہیں تازہ لہو سے دیواریں
محبتوں کے وہ مقتل سجائے رکھتا ہے

تو کیا ارادے بھی ظالم نے رکھ دیئے گروی
نظر ہے اپنی تصور پرائے رکھتا ہے

وہ پیار کرتا ہے لیکن شکاریوں کی طرح
مثالِ دام وہ آنکھیں بچھائے رکھتا ہے

ہمارے سرقۂ بینائی کو کرے رسوا
اور اپنی آنکھیں بدن سب چرائے رکھتا ہے

بلائیں ساری مظفر کے ہاں ٹھہرتی ہیں
عجیب شخص ہے گھر میں سرائے رکھتا ہے

○

○

ہماری لاش کو جب دار سے اتارا جائے
ہمارا عکس رخِ یار سے اتارا جائے

ہمارے قتل کا اس پر نہ آئے گا الزام
مگر یہ خون تو دیوار سے اتارا جائے

اتار تو لئے اس نے زمیں پہ پاؤں مگر
زمین کو بھی فلک پار سے اتارا جائے

وہ پستیوں کا ہے رسیا تو پستیوں میں اسے
بڑے ادب سے بڑے پیار سے اتارا جائے

ہر ایک صاحب کردار کی سزا یہ ہے
کہ اس کو منبر کردار سے اتارا جائے

•

نہ دیکھ پھول کو بھی قاتلانہ نظروں سے
یہ سر نہیں ہے کہ تلوار سے اتارا جائے

قلم کا حق جو مظفر ادا نہیں کرتا
اسے نشست قلمکار سے اتارا جائے

○

○

چاہتوں پر بضد بھی تو ہوں گے
ہم کبھی متحد بھی تو ہوں گے

اپنی پہچان' پہچان ہو گی
آئینے معتقد بھی تو ہوں گے

آج اکیلے میں ہم اجنبی ہیں
بھیڑ میں منفرد بھی تو ہوں گے

وقت ہم کو بھی آواز دے گا
ست رو مستعد بھی تو ہوں گے

جو غلط راہ پر چل رہے ہیں
ان میں کچھ مجتہد بھی تو ہوں گے

رک بھی جائیں گی سانسیں مظفر
یہ شرر منجمد بھی تو ہوں گے

○

○

جہان دل میں عجب بود و باش اپنی تھی
پکارتے رہے ان کو، تلاش اپنی تھی

ہر ایک شخص ہمیں ریزہ ریزہ لگتا تھا
پتہ چلا کہ نظر پاش پاش اپنی تھی

جو قتل کرنے کو آیا تھا غیر وہ بھی نہ تھا
اٹھا کے لے گئے ہم جس کو لاش اپنی تھی

اسی لئے تو ہمیں چاٹنا پڑا ہیرا
کہ اس کی ساری تراش و خراش اپنی تھی

•

معاشرے میں مظفر خرابیاں تھیں اگر
تو یہ خرابیاں طرز معاش اپنی تھی

○

○

ڈور کھینچنے سے ٹوٹ جاتی ہے
بے وفائی ہمیں بھی آتی ہے

آنکھ میں سنگ بن گئے آنسو
کتنی مکار بے ثباتی ہے

میلہ لگتا ہے آرزوؤں کا
جشن تنہائی بھی مناتی ہے

طاقت لفظ آپ کیا جانیں
ایک نقطہ بھی کائناتی ہے

انگلیاں مانگ کر ہوا ہم سے
خوشبوؤں میں گرہ لگاتی ہے

جو حقیقت عظیم ہے جتنی
اتنی ہی وہ تصوراتی ہے

ٹوٹ جاتا ہے رابطہ ورنہ
موت ہر سانس پر بلاتی ہے

ہم لگاتے ہیں ضرب جسموں پر
صورت حال نفسیاتی ہے

سب مظفر بدل گئیں قدریں
نغمہ روتا ہے چیخ گاتی ہے

○

○

تنہائی پیش آتی ہے غم خوار کی طرح
ہم اپنے گھر میں رہتے ہیں دیوار کی طرح

لاشوں کے ڈھیر ہیں مرے اندر لگے ہوئے
چلتی رہی ہے سانس بھی تلوار کی طرح

پیسہ ہو جس کے پاس وہ دنیا خرید لے
قسمت بھی اب تو کھلتی ہے بازار کی طرح

آپس میں گھر کے لوگ بھی اب ملنے لگ گئے
پردے پہ رہنے والے اداکار کی طرح

قدموں سے کھینچتا ہے زمیں ہاتھ تھام کر
سازش بھی کر رہا ہے کوئی پیار کی طرح

انسانیتؔ کا مجھ کو مظفر ہے عارضہ
دنیا کے دائرے پہ ہوں پرکار کی طرح

○

○

برا لگتا ہے تو یہ دل کسی پتھر میں رکھ دیجیے
نہیں تو ہم کو زندہ ہی عجائب گھر میں رکھ دیجیے

وفا کی ہم سے اچھی کوئی بھی قیمت نہیں دے گا
یہ سودا بیچنا ہے تو ہمارے سر میں رکھ دیجیے

اگر بنیائیوں کے خرچ سے آنکھیں بچانی ہیں
تو ہر آئینۂ منظر کو پس منظر میں رکھ دیجیے

اٹھائے پھرتے ہیں کیوں بوجھ آپ اپنے گناہوں کا
یہ رسوائی کے پتھر بھی مری چادر میں رکھ دیجیے

چراغوں کی طرح جل کر مجھے تو جاگنا ہوگا
مری نیندوں کو تہ کرکے مرے بستر میں رکھ دیجے

•

سرودو رقص میں چھپ جائے گا یہ عیب بھی میرا
مری چیخیں بھی رقاصاؤں کی جھانجھر میں رکھ دیجے

مظفر سر اگر تلوار پر اچھا نہیں لگتا
تو پھر یوں کیجئے آقاؤں کی ٹھوکر میں رکھ دیجے

○

○

وہ آئینے کو بھی جھوٹا قرار دیتا ہے
ثبوت مانگو تو چہرہ اتار دیتا ہے

× تعلق اپنا ہے اس سرپھرے قبیلے سے
جو زندگی بھی محبت میں ہار دیتا ہے

پناہ گاہ میں مقتل سجائے جاتے ہیں
مریض غم کو مسیحا بھی مار دیتا ہے

سنہرے خواب دکھاتی ہے یوں ہمیں دنیا
سنار جیسے شکنجے میں تار دیتا ہے

جو مانگنا ہے بڑی احتیاط سے مانگو
خدا تو ظلم کو بھی اقتدار دیتا ہے

•

مسافروں کو ضرورت نہیں پڑا کرتی
پتہ ہواؤں کے رخ کا غبار دیتا ہے

جو بھول کر کوئی خوشبو ادھر نکل آئے
تو اپنا اجڑا ہوا گھر بہار دیتا ہے

بہت ڈراؤنی ہوتی ہے صورت حالات
مظفر اس کو سخن سے سنوار دیتا ہے

○

○

زمیں پر پاؤں رکھتا ہوں ہواؤں پر نہیں رکھتا
میں اپنی بات خود کرتا ہوں نوحہ گر نہیں رکھتا

مری پہچان کے سارے حوالے میرے اپنے ہیں
میں آئینوں کا باشندہ ہوں پس منظر نہیں رکھتا

تمہاری طرح تو بزدل نہیں جو طیش میں آؤں
زباں رکھتا ہوں منہ میں ہاتھ میں پتھر نہیں رکھتا

مری غیرت کے رستے میں محبت بھی نہیں آتی
صلیبوں سے ہٹا کر زانوؤں پر سر نہیں رکھتا

جہاں تک اوڑھ سکتا ہوں قناعت اوڑھ لیتا ہوں
جو پیروں کو چھپا سکتی ہو وہ چادر نہیں رکھتا

•

نمائش کی نہیں محتاج ہوتی کوئی سچائی
میں اچھی سوچ رکھتا ہوں برے تیور نہیں رکھتا

مظفر اس طرح بھی پیاس کی توہین ہوتی ہے
لہو روتا ہوں، آنکھیں آنسوؤں سے تر نہیں رکھتا

○

جلتے گھروں کی آگ بجھانے چلا تھا میں
پہنچا گھروں کے پاس تو خود جل چکا تھا میں

کانوں میں جو اترتی رہی زہر کی طرح
ظالم سماعتوں کے لیے وہ صدا تھا میں

گلدان میں کسی کے جگہ ملتی کس طرح
شعلے کی طرح شاخ ہوا پر کھلا تھا میں

آتا بھی ہے اٹھانے کوئی مجھ کو یا نہیں
یہ صرف دیکھنے کے لیے گر پڑا تھا میں

ہر سنگ زن کو پیش کئے ہیں دعا کے پھول
کتنا خلوص کار تھا کتنا برا تھا میں

رہتے تھے مجھ سے اپنے پرائے خفا خفا
اتنا تھا صرف جرم کہ سچ بولتا تھا میں

خود اپنی رائے سے بھی رہا مجھ کو اختلاف
اپنے مزاج سے بھی مظفر جدا تھا میں

○

یہ فیصلہ تو بہت غیر منصفانہ لگا
ہمارا سچ بھی عدالت کو باغیانہ لگا

ہمارے خون سے بھی اس کی خوشبوئیں پھوٹیں
ہمیں تو قتل بھی کر کے وہ بے وفا نہ لگا

لگائی آگ بھی اس اہتمام سے اس نے
ہمارا جلتا ہوا گھر نگار خانہ لگا

ہم اتنا روح کی گہرائیوں کے عادی تھے
کہ ڈوبتا ہوا دل ڈوبتا ہوا نہ لگا

یہ خام مال ملے گا بہت ہی کم داموں
لہو ہو جس کی ضرورت وہ کارخانہ لگا

کسی بھی شخص سے جب اس کی خیریت پوچھی
تو اپنا لہجۂ پرسش بھی تازیانہ لگا

یہ کون لوگ مظفر کی کر رہے تھے برائی
ملے ہیں ہم بھی بہت، ہم کو وہ برا نہ لگا

○

○

ہر آئینے سے گریبان کیوں نہیں لیتے
ہم اپنے آپ کو پہچان کیوں نہیں لیتے

کوئی سفینہ اگر ہم نے پار اتارا ہے
ہمارا نام بھی طوفان کیوں نہیں لیتے

ہمیں تو ان کے غلط فیصلوں نے مار دیا
منا نہ سکتے ہوں تو مان کیوں نہیں لیتے

وہ خنجروں سے اگر دھوپ روک سکتے ہیں
سروں پہ اپنے ہی پھر تان کیوں نہیں لیتے

ہمیں وہ کس لئے دیتے ہیں درد دنیا کا
خود اپنے سر پہ یہ احسان کیوں نہیں لیتے

کوئی بھی جرم وہ ثابت نہ کر سکے ہم پر
اب اپنے آپ سے تاوان کیوں نہیں لیتے

مری شکست مظفر وہ چاہتے ہیں اگر
تو دل وہ لیتے ہیں کیوں جان کیوں نہیں لیتے

○

○

ہمیں یہ بوجھ اپنے جسم پر اچھا نہیں لگتا
اٹھانے پر ہو پابندی تو سر اچھا نہیں لگتا

اجالا بھی کسی سے پوچھ کر گھر میں اگر آئے
تو اپنا سایہ بھی دیوار پر اچھا نہیں لگتا

سماعت تک تو دیواروں سے راہ و رسم ممکن ہے
دریچے آنکھ بن جائیں تو گھر اچھا نہیں لگتا

وہ آنکھیں کیا لہو میں ڈوب کر جو ہنس نہیں پڑتیں
وہ عاشق کیا جسے دل ٹوٹ کر اچھا نہیں لگتا

جو خود ہاتھوں میں آ جائیں وہ شاخیں سانپ لگتی ہیں
جو بے توڑے ہو حاصل وہ ثمر اچھا نہیں لگتا

مری آنکھیں ہمیشہ صبح کے تارے پہ رہتی ہیں
اندھیرا کیوں نہ جانے رات بھر اچھا نہیں لگتا

بچھڑ کر ملنے والوں کی مظفر قدر ہوتی ہے
مسلسل ہی رہے جو ہمسفر' اچھا نہیں لگتا

○

○

میری غرقابی میں ان کا بھی حوالہ کیوں نہیں
ڈوبتے دیکھا تو دریا سے نکالا کیوں نہیں

صرف میرے ہی بدن پر پتھروں کے زخم کیوں
اس کی گردن میں بھی تلواروں کی مالا کیوں نہیں

میری منزل کا تعین میرا دشمن کیوں کرے
راستہ پاتال کیوں میرا' ہمالہ کیوں نہیں

آئینے پر عکس کیوں پڑتا نہیں تصویر کا
کالے ہیں کردار تو سورج بھی کالا کیوں نہیں

اونچے اونچے شیش محلوں میں چراغاں ہے اگر
چھوٹے چھوٹے جھونپڑوں میں بھی اجالا کیوں نہیں

دوستی بھی تھی مظفر گندے برتن کی طرح
اس کو استعمال سے پہلے کھنگالا کیوں نہیں

○

○

تشنگیاں لب جو
جیسے میں اور تو

میرے ہاتھ، ہوا
تیرا بدن، خوشبو

مٹھی کھلتے ہی
اڑ گئے سب جگنو

ہاتھ میں ہے تلوار
پاؤں میں ہیں گھنگھرو

پینے کے کام آئے
اب انساں کا لہو

اب دنیا داری
کہلائے سادھو

میرے دشت میں ہیں
آہو ہی آہو

اندھے ہیں جادوگر
گونگا ہے جادو

کرے مظفر کون
دل کے چاک رفو

○

○

سوئے دیوار سائے جانے لگے
گمشدہ لوگ پائے جانے لگے

اس کے رستے سے پتھروں کی طرح
آج ہم بھی ہٹائے جانے لگے

کیا اندھیرا ادھر سے گزرے گا
کس لئے ہم جلائے جانے لگے

سر ہمارا قلم ہوا تھا جہاں
وہاں میلے لگائے جانے لگے

اب جنازوں کی طرح کاندھوں پر
زندہ انساں اٹھائے جانے لگے

عزت افزائیاں ہیں یہ کیسی
پاؤں پر سر گرائے جانے لگے

اپنی آنکھوں سے اپنے ہی چہرے
کیوں مظفر چھپائے جانے لگے

○

○

دن اندھیروں میں کٹے راتوں کو سویا بھی نہیں
لگ گیا ڈھیر آنسوؤں کا، اور رویا بھی نہیں

وقت کی لہریں بھی ساری عمر ضد کرتی رہیں
ساحلوں سے دور بھی رکھا، ڈبویا بھی نہیں

بے گناہی کی قسم کھانے تو قاتل آ گیا
آنکھ میں جم جانے والا خون دھویا بھی نہیں

ہاتھ پر بازار سے لا کر صدف تو رکھ لئے
میرے دعویدار نے دامن بھگویا بھی نہیں

ظالموں کے حق میں سناٹے بھی آوازیں اٹھائیں
اور مری ہمدرد میری چشم گویا بھی نہیں

ہڈیاں کیوں جسم میں چبھتی ہیں کانٹوں کی طرح
پھول کوئی میں نے سانسوں میں پرویا بھی نہیں

چھا گئی اتنی تھکن سی کیوں مرے احساس پر
بوجھ اتنا تو مظفر میں نے ڈھویا بھی نہیں

○

○

ہم نے دعائیں دیں جسے اس نے ہمیں مقتل دیئے
چلتی رہی ظالم ہوا ' جلتے رہے پاگل دیئے

جتنا وہ معنی خیز تھا اتنا ہی شر انگیز تھا
میرے سوالوں کے جواب اس نے بہت مہمل دیئے

اللہ نے اس کے جسم کی لو کس قدر دھیمی رکھی
میری نگاہ شوق کو سُر کس قدر کومل دیئے

صحرا جلا ساحل جلا آنکھیں جلیں یا دل جلا
آئی جدھر سے روشنی ہم اس طرف کو چل دیئے

تو مالک و داتا تو ہے لیکن خیال آتا تو ہے
جنگل کو جلتی دھوپ دی دریاؤں کو بادل دیئے

محرومیوں میں بھی رہا ' آباد گھر امید کا
سوکھی ہوئی شاخوں نے بھی کتنے رسیلے پھل دیئے

جو کام نکلے پیار سے نکلے نہ وہ اصرار سے
سخت اس قدر ہوتی گئی رسی کو جتنے بل دیئے

تقسیم تو جتنی بھی ہے ساری مظفر اس کی ہے
اس کی خوشی اس نے اگر خوشیوں کے پل دو پل دیئے

○

○

غیر محسوس طنابوں میں جکڑ رکھا ہے
ہم کو تعبیر نے خوابوں میں جکڑ رکھا ہے

خیر سے ہاتھ کسی کے بھی لگاموں پہ نہیں
اور پیروں کو رکابوں میں جکڑ رکھا ہے

ذہن کو رکھتے ہیں ہر ایک بلا سے محفوظ
علم کو ہم نے کتابوں میں جکڑ رکھا ہے

زہر خوشبوؤں میں رکھ رکھ کے ہوائیں بانٹیں
اژدہوں کو بھی گلابوں میں جکڑ رکھا ہے

آئنے ٹانک دیئے شہر کی دیواروں پر
اور چہروں کو نقابوں میں جکڑ رکھا ہے

جن کی شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ انصاف
ان کو تمغوں میں خطابوں میں جکڑ رکھا ہے

پانیوں سے بھی نہیں دور مگر پیاسے ہیں
ساحلوں کو بھی سرابوں میں جکڑ رکھا ہے

خیر خواہی کی بھی حد کر دی مظفر ہم نے
دیس کا دیس خرابوں میں جکڑ رکھا ہے

○

○

لگی ہوئی تھی نظر ایک ایک پل کی طرف
نکل گیا وہ کسی اور آجکل کی طرف

غم زمانہ کو کیوں ذمے دار ٹھہراؤں
حیات لے کے چلی ہے مجھے اجل کی طرف

جو روک سکتا ہے تو روک ان کمندوں کو
اٹھا رہا ہوں جو آنکھیں' ترے محل کی طرف

مری پناہ سفر میں ہیں رفتہ و فردا
قدم ابد کی طرف ہیں نظر ازل کی طرف

سخنوری نے مظفر کو کر دیا تقسیم
کبھی ہے نعت کی جانب کبھی غزل کی طرف

○

چاہنے والے لوگ ستمگر بھی ہوتے ہیں
مٹی کی گہرائی میں پتھر بھی ہوتے ہیں

ڈوب گئیں جنکی زندگیاں ان سے پوچھو
دو آنکھوں میں سات سمندر بھی ہوتے ہیں

بہتے خون سے رونق آتی ہے چہرے پر
گھاؤ جبین عشق کا جھومر بھی ہوتے ہیں

چلتے چلتے رستہ آخر کٹ جاتا ہے
سانسیں ہوں یا جھونکے خنجر بھی ہوتے ہیں

ذہنوں میں بھی لگتے ہیں بازار مظفر
لوگ ضمیروں کے سوداگر بھی ہوتے ہیں

○

بدن بدن ڈھونڈھنا پڑے گا کہاں ہیں دشمن کدھر ہیں اپنے
جو لوگ پتھر ہیں راستے کا وہی شریک سفر ہیں اپنے

اگر کسی دل میں نور ہوتا کہیں اجالا ضرور ہوتا
شکست دل کی صدائیں آئیں خموش لیکن گجر ہیں اپنے

نہ سنگ ٹوٹے نہ چشم پھوٹے تمام تیشہ بکف ہیں جھوٹے
کوئی نہیں چاہتا کسی کو یہاں سبھی نوحہ گر ہیں اپنے

لہو بھی ہم اپنا چاٹتے ہیں جڑیں بھی خود اپنی کاٹتے ہیں
مخالفت کر رہے ہیں کس کی' حمایتی ہم اگر ہیں اپنے

ہماری بولی تو بل چکی ہے ہماری گٹھڑی تو کھل چکی ہے
نہ اپنے سینوں میں اپنی سانسیں' نہ اپنے جسموں پہ سر ہیں اپنے

○

زندہ ہوں مگر جینے کا احساس نہیں ہے
اپنے لیے کچھ بھی تو مرے پاس نہیں ہے

اپنی ہی تمناؤں کا خوں پی نہیں سکتا
اور لوگ سمجھتے ہیں مجھے پیاس نہیں ہے

طوفان تصور کی جو تصویر اتارے
کیا شہر میں ایسا کوئی عکاس نہیں ہے

کچھ دیر تو اے وقت مرے ساتھ ٹھہر جا
یہ مجلس تنہائی ہے بن باس نہیں ہے

ہر وقت پریشان رہا کرتا مظفر
اچھا ہے کوئی شوق کوئی آس نہیں ہے

○

وہ لہروں کی طرح آتا ہے جب بھی ملنے آتا ہے
ہزاروں سلوٹیں ریگ بدن پر چھوڑ جاتا ہے

مقدس کیوں نہ ہو میرے لئے اس کا تبسم بھی
صداقت' ہونٹ بن جاتی ہے جب وہ مسکراتا ہے

سلگتا جسم لیکر جب ہواؤں میں نکلتا ہوں
چراغوں کی طرح ہر ایک جھونکا جھلملاتا ہے

وہ میرے خال و خد میں کیا کوئی خامی نکالے گا
جو چہرہ ڈھانپ کر اپنا' مجھے شیشہ دکھاتا ہے

مجھے تو کس حوالے سے زمانے یاد رکھے گا
بھنور سے بھی تعلق ہے کناروں سے بھی ناتا ہے

سماعت کی مظفر دھجیاں سی اڑنے لگتی ہیں
سر تنہائی جب ٹوٹا ہوا دل گنگناتا ہے

○

○

ہر تصور تیرا چہرہ ہر تمنا تیرا ہات
اور یہ آنسو میرا سہرہ یہ اکیلا پن برات

ایک لمحے پر کھڑی ہے میری ساری زندگی
میرے اندر میرے باہر سے بڑی ہے کائنات

موت لے کر آئے گی میری ولادت کی خبر
ہو چکی تھی میری پیدائش کے دن میری وفات

تبصرہ اڑتے پرندے ہم پہ کرنے لگ گئے
لکھ دیئے کس نے ہواؤں پر ہمارے واقعات

ہر خوشی ہر غم کا ہے دارومدار احساس پر
لگتا ہے سورج بھی کالا اپنے اندر ہو جو رات

جانتے ہیں لوگ اب تیرے حوالے سے مجھے
تیری خوشبو نام میرا عشق تیرا میری ذات

مشکلیں چلتی ہیں میرے ساتھ یادوں کی طرح
راستہ مجھ کو دکھاتے ہیں مظفر حادثات

○

○

مر کے بھی خود کو زندہ کر جانا
زندگی سے لپٹ کے مر جانا

زندگی دوسروں کا حصہ ہے
اپنے اوپر نہ خرچ کر جانا

ساحلوں کی رہے نہ محتاجی
اتنا گہرائی میں اتر جانا

میری تنہائیوں کے دامن میں
اپنی پرچھائیاں ہی بھر جانا

خالی آنکھوں میں ایک بار آ کر
پتلیوں کی طرح ٹھہر جانا

ایک موسم میں ساری عمر کٹی
دھوپ کو سایۂ شجر جانا

حق نہ تھا میرا ایک لمحے پر
اور صدیوں کو ہمسفر جانا

خاک میں بھی ملو مظفر اگر
خوشبوؤں کی طرح بکھر جانا

○

○

بکھرے لفظوں سے یارانہ اپنا ہے
کتنا بے ترتیب فسانہ اپنا ہے

ہم سا تیر انداز بھی کوئی کیا ہو گا
اپنی ہی زندگی نشانہ اپنا ہے

وحشت دل صحراؤں کی محتاج نہیں
اپنے اندر اک ویرانہ اپنا ہے

ایک بھی قیمتی لمحہ ہمارے پاس نہیں
اور کہتے ہیں سارا زمانہ اپنا ہے

آنے کا کچھ پتہ نہ اپنے جانے کا
دو عدموں کے بیچ ٹھکانہ اپنا ہے

ہم اتنے بھی مظفر خالی ہاتھ نہیں
ہر اک دل کا درد خزانہ اپنا ہے

○

○

تخلص زخم کا مرہم رہے گا
تو قتل عام کا موسم رہے گا

جو رکھی ہم نے بھونچالوں سے یاری
تو سب کچھ غیر مستحکم رہے گا

دلوں میں بھی اگر دیوار کھینچی
تعلق رابطہ کم کم رہے گا

اگر تلوار ظالم سے نہ چھینی
تو باراتوں میں بھی ماتم رہے گا

رہا نافذ اگر جنگل کا قانون
درندے کی طرح آدم رہے گا

کروں گا جنگ، ظالم سے مظفر
قلم کا ہاتھ میں پرچم رہے گا

○

○

مٹی کا تن ڈھانپ لیا تھا بادل کی چادر سے
بہہ گئی اپنی عریانی بھی، بادل اتنا برسے

اپنے قاتل کو خود میں نے پناہ دے رکھی ہے
کاٹ رہا ہے شریانوں کو خون مرا اندر سے

نازک ہے آوازوں کا آئینہ، ٹوٹ نہ جائے
میں نے چپ سادھی ہے ظالم سناٹوں کے ڈر سے

جو کچھ بعد میں ہو گا، پہلے سے معلوم ہے مجھ کو
ہر منظر کی جانب دیکھ رہا ہوں پس منظر سے

محفل ہو یا تنہائی، رہتی ہے جنگ مظفر
اپنی ذات میں پوشیدہ اک ان دیکھے لشکر سے

○

زندہ رہنا ہے تو آواز محبت پر چلو
دیکھنا ہے پہلی شب کا چاند تو چھت پر چلو

تم اگر چاہو تو ہنس دوں تم کہو تو رو پڑوں
میں تمہارے حکم پر تم میری سنت پر چلو

ساتھ لے لینا مری آنکھیں مرا احساس بھی
جب ہوائیں اوڑھ کر تم فرش نکہت پر چلو

آج کاٹا جائے گا فیتہ ہمارے درد کا
تم کو بھی دعوت ہے تم بھی اس مہورت پر چلو

زندگی کو کیوں درندوں کے حوالے کر دیا
آدمی ہو تو صراط آدمیت پر چلو

اک نئے ماحول کی بنیاد رکھنے کے لئے
نکل آؤ اپنے تہ خانوں سے پربت پر چلو

عہد رفتہ سے بغاوت ظلم ہے فردا کے ساتھ
بات تو جب ہے نئے پن سے روایت پر چلو

اب لیٹروں کا تخلص ہے' مظفر رہ نما
راستے آتے ہیں تو اپنی ہدایت پر چلو

○

○

سوچوں سے خیالوں سے حقیقت نہیں بنتی
اٹھتی ہوئی لہروں پہ عمارت نہیں بنتی

تلوار کی زد روکنی پڑتی ہے سروں پر
دھاگوں سے تو دستار فضیلت نہیں بنتی

مفہوم ہر اک اشک کا تم خود ہی سمجھ لو
ٹوٹے ہوئے لفظوں سے عبارت نہیں بنتی

قاتل بھی تو ہوتے ہیں حسینوں میں مظفر
صورت کے حوالے سے ہی سیرت نہیں بنتی

○

آئنہ بھی کسی بے چہرہ کا چہرہ نکلا
جس کو دیکھا گیا وہ دیکھنے والا نکلا

میرا ماضی مرے فرداؤں سے اچھا نکلا
الٹا چل کر بھی میں آگے کی طرف جا نکلا

زندہ رہنے کی ہمیں کس سے ضمانت ملتی
بیٹھ کر موت کے کاندھوں پہ مسیحا نکلا

کتنی آنکھوں کو بجھا کر ہوا سورج روشن
روند کر کتنے ستاروں کو سویرا نکلا

ہم بھی تنہائی میں ٹوٹے ہیں چٹانوں کی طرح
ریزہ ریزہ بھی ہوئے پھر بھی نہ رستہ نکلا

دوستی کے کئے دعوے تو بہت لوگوں نے
دوست نکلا تو مظفر غم دنیا نکلا

○

○

ایسے اصول چاہئیں پیمانے چاہئیں
جو کچھ ہیں ہم، نظر بھی وہی آنے چاہئیں

کب تک کریں گے آندھیاں رکنے کا انتظار
پرچم اگر ہیں شعلے تو لہرانے چاہئیں

مجبوریوں کی ہو گئی شوقین زندگی
سچائیاں بھی کہتی ہیں افسانے چاہئیں

کھائیں پیئیں جو اس کا، اسی کو کہیں برا
اس ملک سے وہ لوگ نکل جانے چاہئیں

جس کی ہمیں تلاش ہے اس صبح کے لئے
خورشید کتنے اور خدا جانے چاہئیں

چھلکانا جانتے ہیں مظفر لہو کے جام
رندوں کو مقتلوں میں بھی میخانے چاہئیں

○

○

ہر رنگ ہے پہنے ہوئے عریاں تو نہیں ہے
انسان کسی روپ میں انساں تو نہیں ہے

پھولوں نے اگر سیکھ لیا ان سے تبسم
اس میں کوئی توہین گلستاں تو نہیں ہے

ہم آج تلک کیوں کسی ساحل پہ نہ اترے
کشتی کا لقب ہی کہیں طوفاں تو نہیں ہے

پہچانتا ہے اس کی بدلتی ہوئی شکلیں
آئینہ اسے دیکھ کے حیراں تو نہیں ہے

مسمار کریں کیسے نظر بندیاں اپنی
زنداں درودیوار کا زنداں تو نہیں ہے

جلتی ہوئی لاشوں سے اجالا ہے گھروں میں
یہ جشن تباہی ہے چراغاں تو نہیں ہے

دروازے پہ کیوں اس نے بٹھائے ہیں اندھیرے
وہ اپنے ہی سائے سے ہراساں تو نہیں ہے

بازار سے پوچھ آؤ ذرا بھاؤ مظفر
دل پیار کی قیمت میں بھی ارزاں تو نہیں ہے

○

○

جب بھی وہ اپنی کمانوں سے نکل کر آیا
تیر کھانے کے لئے آپ میں چل کر آیا

جان دے دینا بھی اک شرط وفاداری ہے
اس نے تو صرف کہا تھا میں عمل کر آیا

وقت سے فائدہ پھر بھی نہ اٹھایا میں نے
لمحہ لمحہ مری دہلیز پہ چل کر آیا

اپنی سب آرزوئیں اس کے حوالے کر کے
اے محبت ترا ہر مسئلہ حل کر آیا

میں نے آندھی میں بھی پہنا ہے چراغوں کا لباس
تیز جھونکوں کی ہتھیلی پہ بھی جل کر آیا

اس کی بے نام عدالت میں مری پیشی تھی
میں بھی بے حرف بیانات میں ڈھل کر آیا

اپنے فرداؤں سے ملتا ہوں سر اونچا کر کے
کام جو آج مجھے کرنا تھا کل کر آیا

شاعری آ گئی اس پر بھی مظفر حاوی
میں اسے دیکھ کے تعریف غزل کر آیا

○

○

اٹھائے انگلیاں سب پر، حساب اپنا نہیں رکھتا
سوال اوروں سے کرتا ہے جواب اپنا نہیں رکھتا

وہ دنیا کو بدلنے کے لئے بے چین رہتا ہے
کوئی منشور یا کوئی نصاب اپنا نہیں رکھتا

وہ ہم سے گفتگو کرتے ہوئے بھی آئنہ دیکھے
نظر رکھتا ہے حسن انتخاب اپنا نہیں رکھتا

کھلی آنکھیں بھی داغوں کی طرح ہیں اس کے چہرے پر
وہ نیندوں کا بھی مجرم ہے جو خواب اپنا نہیں رکھتا

سکون قلب وہ کیسے کسی کو بانٹ سکتا ے
کسی کے ذہن میں جو اضطراب اپنا نہیں رکھ

کھلے دریاؤں میں کیسے وہ لڑ سکتا ہے دشمن ے
مظفر جو ٹھکانہ زیر آب اپنا نہیں رکھ

○

○

اس کو ٹھنڈی ہوا بھی میسر نہیں
جسم پر جس کے شعلوں کی چادر نہیں

قیمتی ہے اسی کی طلب کا سفر
پیاس ہے جس کی منزل سمندر نہیں

اپنے ہمراہ رکھتا نہیں وقت اسے
جس کا گھر لمحے لمحے کے اندر نہیں

سنگدل بھی محبت کے محتاج ہیں
آدمی فطرتاً تو ستمگر نہیں

اپنے چہروں پہ ملتے ہیں اپنا لہو
بزدلی درد مندوں کا زیور نہیں

فتح دنیا کے وہ لوگ حقدار ہیں
پھول ہیں جن کے ہاتھوں میں خنجر نہیں

آسمانوں کی وہ کیا خبر لائے گا
پاؤں جس کا مظفر زمیں پر نہیں

○

○

ساحلِ جاں نہ پار کر جاؤ
ڈوبتی ناؤ سے اتر جاؤ

کوئی جھونکا نہ ہاتھ تھامے گا
پل صراطوں سے خود گزر جاؤ

عرض کرنا، مرے لہو کا سلام
قاتلوں کی طرف اگر جاؤ

اور بھی تیز گام ہو جانا
فاصلہ جب کہے، ٹھہر جاؤ

چاہتے ہیں زمانے کے جاسوس
بے خبر آؤ ' بے خبر جاؤ

صبح حالات کی یہ کوشش ہے
شام کے وقت بھی نہ گھر جاؤ

روشنی چاہیے مظفر اگر
کاسہ لے کر سحر سحر جاؤ

○

○

شعلۂ عشق دل میں جلتا ہے
دھواں آنکھوں سے بہہ نکلتا ہے

بے مروت ہے میرا سایہ بھی
روشنی ہو تو ساتھ چلتا ہے

زلزلے کی دعائیں کرتے ہیں لوگ
گرنے والا اگر سنبھلتا ہے

میں اندھیروں میں جاگ اٹھتا ہوں
میرا دن رات کو نکلتا ہے

سب کو اپنا وجود ہے پیارا
کون سورج کے ساتھ ڈھلتا ہے

پھول گھیریں کبھی مظفر کو
اور کبھی آگ پر ٹہلتا ہے

○

○

چوروں کی طرح نیند کہیں بھاگ نہ جائے
پھر دیکھا ہوا خواب کوئی جاگ نہ جائے

دنیا کو نہ ہو جائے خبر میرے دکھوں کی
ڈرتا ہوں کہ جنگل کی طرف آگ نہ جائے

بچھڑے نہ کسی لفظ سے آواز مظفر
مطرب سے خفا ہو کے کوئی راگ نہ جائے

○

ہر ایک چہرے سے کردار پڑھنا آتا ہے
ہمیں نوشتۂ دیوار پڑھنا آتا ہے

اسی لیے تو چھلکتا ہے خون آنکھوں سے
طلوعِ صبح کو اخبار پڑھنا آتا ہے

لگاتے رہتے ہیں اکثر وہ بولیاں اپنی
انہیں بھی ظرفِ خریدار پڑھنا آتا ہے

نصاب میں تو ہمارے بہت کتابیں ہیں
مگر ہمیں تو فقط پیار پڑھنا آتا ہے

مطالعے کا ہمیں اتنا شوق ہے لوگو
کہ زندگی کو سرِدار پڑھنا آتا ہے

کسی طرف تو مظفر نظر نہیں اٹھتی
کسی کا چہرہ لگاتار پڑھنا آتا ہے

○

جب کبھی روشنی میں ہم آئے
اپنی پرچھائیوں سے ٹکرائے

ہم ہیں وہ درد ناک گیت جسے
زندگی جھوم جھوم کر گائے

کر گئی تار تار ہم کو ہوا
پرچموں کی طرح جو لہرائے

غائبانہ ہے راہ و رسم اپنی
دور کے لوگ بھی ہیں ہمسائے

گفتگو ختم ہو نہیں سکتی
جتنے الفاظ اتنے پیرائے

پیار بھی ہم کو بے پناہ ملا
اور دھوکے بھی ان گنت کھائے

کبھی رو کر سکون ملتا تھا
اب مظفر سکوں بھی تڑپائے

○

○

جاگتے میں بھی جو خوابوں کی طرح ہوتے ہیں
ان کے چہرے بھی نقابوں کی طرح ہوتے ہیں

ذات چھپ جاتی ہے دیوار صفت کے پیچھے
اچھے انسان حجابوں کی طرح ہوتے ہیں

پیار اپنا کسی تائید کا محتاج نہیں
کچھ سوالات جوابوں کی طرح ہوتے ہیں

سب سے نیکی کی توقع نہیں کی جا سکتی
بعض دریا بھی سرابوں کی طرح ہوتے ہیں

نام آتا ہے ہمارا بھی انہی مستوں میں
جن کے آنسو بھی شرابوں کی طرح ہوتے ہیں

اب مدارس میں پڑھا کرتے ہیں استاد انہیں
طالب علم کتابوں کی طرح ہوتے ہیں

ٹوٹ جاتے ہیں مظفر جو مرے دل کی طرح
کچھ سفینے بھی حبابوں کی طرح ہوتے ہیں

○

○

بات کرتے ہوئے چپ رہنے کا ڈھب اچھا ہے
کچھ بھی اچھا نہیں، لگتا ہے کہ سب اچھا ہے

خوبیاں اور تو انسان میں کچھ ہوں کہ نہ ہوں
اس خوش اخلاق درندے کا لقب اچھا ہے

اپنے ہی خون سے پیاس اپنی بجھا لیتا ہوں
ساغر و جام سے پیمانۂ لب اچھا ہے

نسل در نسل نہیں رسم شرافت چلتی
سارے اچھے نہیں وہ جن کا نسب اچھا ہے

میری آواز میں تصویر اتر آئی تری
تو ہے اچھا کہ مرا حسن طلب اچھا ہے

طالب علم کے کردار پہ انگلی نہ اٹھا
ادب اچھا ہے نہ استاد ادب اچھا ہے

دیدہ و دل بھی تو روشن ہوں مظفر ورنہ
تارۂ صبح سے پشتارۂ شب اچھا ہے

○

○

فضائیں چیخ رہی ہیں اور آدمی چپ ہے
یہ موت بول رہی ہے کہ زندگی چپ ہے

سجے ہوئے ہیں کٹہرے تو مجرموں سے مگر
گواہیاں بھی ہیں خاموش عدل بھی چپ ہے

ضمیر بیچنے والوں کے لب نہیں کھلتے
جو سچ کا زہر نہیں چاٹتا وہی چپ ہے

ہجوم مصلحتوں کا ہے جس طرف دیکھو
یہ چپ بھی ذہنیت مجرمانہ کی چپ ہے

جو بولنا نہیں آتا تو چیخ ہی مارو
یہ کیا کہ شہرِ سخن میں بھی ہر کوئی چپ ہے

ارادتاً کبھی فریاد کی نہیں میں نے
مری دہائی بھی دراصل داخلی چپ ہے

وہ دن بھی آئے گا ثابت قدم یہ جب ہو گا
کبھی اجالا ہے آواز اور کبھی چپ ہے

یہ پیشِ خیمہ طوفاں نہ ہو مظفر جی
یہ صرف ملکی نہیں ہے یہ عالمی چپ ہے

○

○

پھول سے بھی دھواں نکلتا رہا
میں ہرے موسموں میں جلتا رہا

اس کی دیوار تک پہنچنے کو
جسم پرچھائیوں میں ڈھلتا رہا

آگ پر ہونٹ رکھ دیئے تھے کبھی
آخری سانس تک پگھلتا رہا

حادثے مجھ کو پیش آتے رہے
اور زمانے کا جی بہلتا رہا

میں اکیلا بھی کارواں کی طرح
راستوں کے بغیر چلتا رہا

میری آواز منحرف نہ ہوئی
وقت کا فیصلہ بدلتا رہا

شاعری کی فقط مظفر نے
یا لہو عمر بھر اگلتا رہا

○

○

شکست شب کا روز نظارہ دیکھتا ہوں
صبح سے پہلے صبح کا تارہ دیکھتا ہوں

گھیر لیا کرتے ہیں جب طوفان مجھے
اپنے اندر ایک کنارہ دیکھتا ہوں

پڑھ لیا کرتا ہوں تحریر ہواؤں کی
ان دیکھی آنکھوں کا اشارہ دیکھتا ہوں

ایک نظر تو ہر چہرے پر پڑتی ہے
دیکھنے والی شکل دوبارہ دیکھتا ہوں

زیور بغیر وہ آراستہ ہوتا ہے
سادگیوں میں بھی فنکارہ دیکھتا ہوں

ساری دنیا جب سر جوڑ کے بیٹھتی ہے
آدمیت کو پارہ پارہ دیکھتا ہوں

پاگل پن لگتی ہے شعرو شاعری بھی
ذہن و دل کو جب آوارہ دیکھتا ہوں

مجھ کو مظفر اپنا خیال آتا ہے
جب کوئی بجھتا انگارہ دیکھتا ہوں

○

○

ہوا کی آنکھ سے خوشبو چھپی نہیں رہتی
میں چپ بھی رہتا تو بات ان کہی نہیں رہتی

عجیب شے ہے محبت کہ جب کسی سے کرو
تو اپنے آپ سے وابستگی نہیں رہتی

مطالعہ نہ میں اپنا بغور کر سکتا
تمہارے ساتھ اگر زندگی نہیں رہتی

مرے وجود میں مجھ کو تلاش کرتے ہو
اس آگ میں تو کوئی لاش بھی نہیں رہتی

ہمارے دل کا بھی کرنیں طواف کرتی ہیں
چراغ ہی میں فقط روشنی نہیں رہتی

جلا کے راکھ بھی کر دیتا ہے کوئی شعلہ
ہمیشہ ظلم کی کھیتی ہری نہیں رہتی

اجاڑ دیتے ہیں حالات جن کو اندر سے
لبوں پہ ان کے مظفر ہنسی نہیں رہتی

○

○

چہرہ بدل بدل کے نہ کر بات زندگی
آئینہ ہے تو مجھ سے ملا ہاتھ زندگی

ہونٹوں پہ میرا خون ہے کاندھے پہ میری لاش
کہتی ہے اس جلوس کو بارات زندگی

مردانہ وار جنگ کروں جب دکھوں کے ساتھ
میرا مذاق اڑائے مسمات زندگی

اک مقبرہ بھی اپنا بنانے کے واسطے
تعمیر کر رہی ہے محلات زندگی

اب تک مظفر اس سے تعارف نہیں ہوا
برسوں سے رہ رہی ہے مرے ساتھ زندگی

○

حسن تو حسن ہے اس کی تعریف کرنا، برا تو نہیں
ایک پیاسے کا پانی کے اندر اترنا برا تو نہیں

روشنی روشنی اپنی پرچھائیاں ڈھونڈھنے کے لئے
دل کی تصویر میں پیار کے رنگ بھرنا، برا تو نہیں

چلتے چلتے اگر کچھ حسین آہٹیں، راستہ روک لیں
ان حسین آہٹوں کے لئے بھی ٹھہرنا برا تو نہیں

اپنے ہمراہ لے جائے خوشبو کسی کی تو کیا کیجئے
جس طرف سے وہ گزرا ادھر سے گزرنا برا تو نہیں

قہقہے تو مظفر کسی کو بھی شاید نہ ہم دے سکیں
آنسوؤں کی طرح دامنوں پر بکھرنا برا تو نہیں

○

دھوئیں کو رنگ، شرر کو گلاب کیسے کہوں
سیاہ شب کو شب ماہتاب کیسے کہوں

میں بے حیائی کی سوداگری نہیں کرتا
بدن کو جام، لہو کو شراب کیسے کہوں

اچھالتا ہے وہ دانشوروں کی دستاریں
امیر شہر کو عزت مآب کیسے کہوں

خود اپنے آپ سے روپوش ہو نہیں سکتا
جو مجھ پہ بیت گئی اس کو خواب کیسے کہوں

ہر ایک چیز وہیں ہے جہاں وہ پہلے تھی
جمود ہے یہ اسے انقلاب کیسے کہوں

معاشرہ کسی اک فرد کا تو نام نہیں
معاشرے کو مظفرؔ خراب کیسے کہوں

○

○

روشنیو! ہم کو بھی ایک ہنر آتا ہے
اپنا ہی سایہ دشمن بن کر آتا ہے

سوکھ گیا کیا سارے دریاؤں کا پانی
جس کو دیکھو اپنے خون میں تر آتا ہے

تیز سواری جیسا عمر کا لمحہ لمحہ
اک منظر جاتا ہے اک منظر آتا ہے

آگے آگے دوڑ رہی ہیں خالی آنکھیں
پیچھے پیچھے خوابوں کا لشکر آتا ہے

نئی محبت کے محلوں کو جانے والو
اس رستے میں ایک قدیم کھنڈر آتا ہے

کیا معلوم کہ دل کتنا پتھر ہو اس کا
چہرے سے بالکل معصوم نظر آتا ہے

اپنی بربادی پر ہم کچھ ہنس لیتے ہیں
ویسے ہنسنا چاہیں تو دل بھر آتا ہے

ذات نشینوں کو مت دے آواز مظفر
ان حجروں سے کون بھلا باہر آتا ہے

○

○

تشنگیاں مصروف ہیں کن تکمیلوں میں
پانی شریانوں میں خون سبیلوں میں

یوں سب اپنی ذات میں بکھرے بکھرے ہیں
جیسے پڑ جاتی ہے پھوٹ قبیلوں میں

آنکھیں روشن کرنا بھی آسان نہیں
خون جلانا پڑتا ہے قندیلوں میں

اپنے بس میں کیسے کر لوں دنیا کو
دنیا ہے عیاروں کی زنبیلوں میں

پانی کے اندر کرنیں ہیں روشنیاں
جلتی شمعیں لیکر چلنا جھیلوں میں

موت سے ڈر کر وقت سے پہلے کیا مرنا
جینا سیکھ مظفر عزرائیلوں میں

○